مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ

انصار الدین

جلد ۱۵ نمبر۱ صلح تبلیغ ہجری شمسی ۱۳۹۶ جنوری و فروری ۲۰۱۸





Members of Majlis e Amla Mitcham Majlis (winner of Alm e Anami 2017) with Huzur e Aqdas أیدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز



Members of Majlis e Amla Noor Region (winner of Best Region 2017) with Huzur e Aqdas أیدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز









Majlis Ansarullah UK Refresher Course 2018









﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصار الدین

جلد 15 نمبر 1 | مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ | جنوری و فروری 2018ء

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: محمود علی مرزا
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی، حبیب الرّحمٰن غوری۔
مینیجر: نعیم گلزار
ڈیزائننگ: عامر احمد ملک
ترسیل: سعادت جان (انچارج)

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5PT e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk

درس القرآن

اُدْعُ إِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّکَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔ (سورۃ النحل:126)

ترجمہ: (اور اے رسول) تو (لوگوں کو) حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے اپنے رب کی راہ کی طرف بُلا۔ اور اس طریق سے جو سب سے اچھا ہو، ان سے (ان کے اختلافات کے متعلق) بحث کر۔ تیرا رب ان کو (بھی) جو اس کی راہ سے بھٹک گئے ہوں (سب سے) بہتر جانتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو (بھی سب سے) بہتر جانتا ہے۔

اسلام کے دورِ اوّل میں مسلمانوں کو تبلیغ کے لئے خدا تعالیٰ نے جا بجا ایسی ہدایات فرمائیں جن کے نتیجہ میں وہ احسن طور پر تبلیغ کا فریضہ ادا کرسکیں۔ اس وقت مشرکوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے ایک ہی ہتھیار کافی تھا کہ شرک کا رد کرنے کے ساتھ ہی سب جھگڑوں کا فیصلہ ہو جاتا تھا مگر یہود و نصاریٰ کے پاس الٰہی کتب تھیں اس لئے فرمایا کہ ان کے ساتھ مقابلہ میں زیادہ مضبوطی کی ضرورت ہے۔ اس لئے پہلے سے یہ تاکید کردی کہ دعوۃ بالحکمت ہو۔ حکمت کے کئی معنی ہیں مثلاً علم، پختگی، عدل، نبوت، حلم اور بردباری یعنی ہر چیز جو جہالت سے روکے۔ فرمایا کہ حق کے ساتھ بلاؤ یعنی علمی باتوں کو بیان کرو یعنی پہلے نبیوں کے صحیفوں پر مسائل کی بنیاد رکھ کر بات کرو۔ افسوس مسلمان مفسّروں نے اس حکم کی طرف توجہ نہیں کی اور لوگوں سے سن سنا کر بائبل کے متعلق ایسے حوالے اپنی کتب میں لکھ دیئے ہیں کہ یہود اور عیسائیوں کو آج تک ان کی وجہ سے اسلام پر حملہ کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔

دوسرے یہ فرمایا کہ پختہ بات بیان کرو یعنی ہر دلیل کو اچھی طرح جانچ لو اور جو پختہ اور مضبوط ہو اسی کو پیش کرو۔ عدل کے معنی کی رو سے یہ ہدایت فرمائی کہ کسی پر ایسا اعتراض نہ کرو جو تم پر بھی پڑتا ہو کیونکہ اوّل تو یہ انصاف سے بعید ہے دوسرے دشمن موقعہ پا کر بحث میں اسی بات کو پیش کردیتا ہے اور پھر شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔

حکمت کے معنی حلم کے بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ نرمی کے ساتھ اور عقل سے کام لیتے ہوئے بات کیا کرو کیونکہ جو شخص ایسا نہیں کرتا بلکہ جلد تیز ہو کر غصہ اور جوش میں آجاتا ہے وہ دوسرے کو ہرگز سمجھا نہیں سکتا۔ نبوت کے معنوں کی رو سے یہ مطلب ہوگا کہ الٰہی کلام کی مدد سے لوگوں کو دین کی طرف بلاؤ۔ جو دلائل خود قرآن کریم نے دیئے ہیں انہی کو پیش کرو۔ اپنے پاس سے ڈھکوسلے نہ پیش کیا کرو۔

آہ! اگر اس گُر کو مسلمان سمجھتے تو یہودیت اور عیسائیت کو کھا جاتے۔

ہمارا ہتھیار قرآن کریم ہی ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ (سورۃ الفرقان) اس قرآن کی تلوار لے کر دنیا سے جہاد کے لئے نکل کھڑا

باقی صفحہ 24 پر ملاحظہ فرمائیں

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن امام خطبہ دے رہا ہو اور تم اپنے قریبی ساتھی سے کہو کہ خاموش رہو تو تمہارا یہ کہنا لغو فعل ہے۔ (یعنی اشارے سے خاموش کرانا چاہئے نہ کہ منہ سے بول کر)۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعة باب الانصات)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا: تُو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا: مَیں نے کثرت سے نماز، روزہ اور صدقہ کے ذریعہ تو کوئی تیاری نہیں کی۔ البتہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا: تُو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الأدب علامة حب اللہ)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ میرے دل اور میری زبان میں نور بھر دے اور میرے کانوں اور میری آنکھوں میں نور عطا کر اور میرے اوپر اور نیچے اور دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے اور میرے نفس میں نور رکھ دے اور نور کا وافر حصہ عطا فرما۔ (صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین باب الدعا فی صلوٰۃ اللیل)

حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عاشقِ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھ اور درجات میں ترقی کرتا جا۔ اور اسی طرح خوش الحانی سے پڑھ جس طرح دنیا میں پڑھتا تھا۔ تیرا مقام اس آخری آیت تک ترقی پذیر ہے جو تو تلاوت کرے گا۔

(جامع ترمذی کتاب فضائل القرآن باب من قَرَءَ حَرفًا)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: ''اے میرے رب مجھے اپنا شکر گزار، اپنا ذکر کرنے والا، اپنے سے ڈرنے والا اور اپنا کامل اطاعت گزار اور اپنے حضور عاجزی کرنے والا بنادے''۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب فی دعاء النبیؐ)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سفر کے ارادہ سے جب اونٹ پر بیٹھ جاتے تو تین بار تکبیر کہتے اور پھر یہ دعا مانگتے: ''سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۔ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ''۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے تابع فرمان کیا حالانکہ ہم میں اسے قابو میں رکھنے کی طاقت نہیں تھی۔ ہم اپنے ربّ کی طرف جانے والے ہیں۔)

(مسلم کتاب الحج باب ما یقول اذا رکب الی سفر الحج)

کلام الامام علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''تم اُس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ اُن کی تحقیر۔ اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خودنمائی سے اُن کی تذلیل۔ اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے اُن پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو۔......خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اُس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو اِن باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلیں اور مَیں نے بیان کیں۔ تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔ اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔......تم سچے دل سے اور پورے صدق سے اور سرگرمی کے قدم سے خدا کے دوست بنو تا وہ بھی تمہارا دوست بن جائے۔ تم ماتحتوں پر اور اپنی بیویوں پر اور اپنے غریب بھائیوں پر رحم کرو تا آسمان پر تم پر بھی رحم ہو۔ تم سچ مچ اُس کے ہو جاؤ تا وہ بھی تمہارا ہو جاوے۔''

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19۔ صفحہ 13-12)

''بعض گناہ ایسے باریک ہوتے ہیں کہ انسان اُن میں مبتلا ہوتا ہے اور سمجھتا ہی نہیں۔ جوان سے بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اسے پتہ نہیں لگتا کہ گناہ کرتا ہے مثلاً گلہ کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اس کو بالکل ایک معمولی اور چھوٹی سی بات سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف نے اس کو بہت بُرا قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے کہ انسان ایسا کلمہ زبان پر لاوے جس سے اس کے بھائی کی تحقیر ہو اور ایسی کارروائی کرے جس سے اس کو حرج پہنچے۔ ایک بھائی کی نسبت ایسا بیان کرنا جس سے اس کا جاہل اور نادان ہونا ثابت ہو یا اس کی عادت کے متعلق خفیہ طور پر بے غیرتی یا دشمنی پیدا ہو یہ سب برے کام ہیں''۔

(الحکم۔ جلد 10۔ نمبر 22۔ صفحہ 3۔ بتاریخ 24 جون 1906ء)

فرمودات
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس
ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مسلمانوں کو پانچ وقت نمازوں کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی محبت کی وجہ سے اس عبادت کا حکم ہے، لیکن عملاً صورتحال اس کے بالکل الٹ ہے۔ ایک احمدی جب اس لحاظ سے دوسروں پر نظر ڈالتا ہے تو اُسے سب سے پہلے اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم اپنی نمازوں کو خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی عبادتوں کو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس دعوے کی نفی کر رہے ہیں کہ آپ کے آنے کا مقصد اللہ تعالیٰ پر ایمان قوی کرنا ہے۔ آپ کے آنے کا مقصد سچائی کے زمانے کو پھر لانا ہے۔ آپ کے آنے کا مقصد آسمان کو زمین کے قریب کرنا ہے یعنی خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق پیدا کرنا ہے۔ یقیناً ہمارے ایمان اور اعمال کی کمی سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کی نفی نہیں ہوتی۔ ہاں ہم اُس فیض سے حصہ لینے والے نہیں ہیں جو آپ کی بعثت سے جاری ہوا ہے۔ ہمارے ایمان لانے کے دعوے بھی صرف زبانی دعوے ہیں۔ پس بجائے اس کے کہ ہر ایک دوسرے پر نظر رکھے کہ وہ کیا کر رہا ہے، اُس کا ایمان کیسا ہے، اُس کا عمل کیسا ہے اور اُس میں کیا کمزوری ہے، ہر احمدی کو اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کس حد تک اپنے عہدِ بیعت کو پورا کر رہا ہے۔ کس حد تک آپ علیہ السلام کے مقصد کو پورا کر رہا ہے۔ کس حد تک اعمالِ صالحہ بجالانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کس حد تک اپنی اخلاقی حالت کو درست کر رہا ہے۔ کس حد تک اپنے اس عہد کو پورا کر رہا ہے کہ مَیں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے سامنے دس شرائطِ بیعت رکھی ہیں کہ اگر تم حقیقی طور پر میری جماعت میں شامل ہونا چاہتے ہو یا شامل ہونے والے کہلانا چاہتے ہو تو مجھ سے پختہ تعلق رکھنا ہوگا۔ اور یہ اُس وقت ہوگا جب ان شرائطِ بیعت پر پورا اترو گے۔ ان کی جگالی کرتے رہو تا کہ تمہارے ایمان بھی قوی ہوں اور تمہاری اخلاقی حالتیں بھی ترقی کرنے والی ہوں، ترقی کی طرف قدم بڑھانے والی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں مختلف مواقع پر بڑی شدت اور درد سے نصیحت فرمائی ہے کہ تم جو میری طرف منسوب ہوتے ہو، میری بیعت میں آنے کا اعلان کرتے ہو اگر احمدی کہلانے کے بعد تمہارے اندر نمایاں تبدیلیاں پیدا نہیں ہوتیں تو تم میں اور غیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری نیکیوں کے معیار اُس سطح تک بلند ہوں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں دیکھنا چاہتے ہیں۔

(حضور انور ایدہ اللہ کے خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ 11 اکتوبر 2013ء سے انتخاب)

میرا پیارا محمود۔ مقام سیدنا محمودؓ حضرت مولانا نورالدینؓ کی نظر میں

(مرزا خلیل احمد قمر)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے انتخاب خلافت کے موقعہ پر اپنی پہلی تقریر میں بھی حضرت مصلح موعودؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے اسی فکر میں کئی دن گزارے کہ ہماری حالت حضرت صاحب کے بعد کیا ہوگی۔ اسی لئے میں کوشش کرتا رہا کہ میاں محمود کی تعلیم اس درجہ تک پہنچ جائے۔ حضرت صاحب کے اقارب میں اس وقت تین آدمی موجود ہیں۔ اوّل میاں محمود احمد، وہ میرا بھائی بھی ہے اور میرا بیٹا بھی۔ اس کے ساتھ میرے خاص تعلقات ہیں۔'' (بدر 2 جون 1908ء)

خلافتِ ثانیہ کے بارہ میں وصیت

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اپنے عہد خلافت میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض پیشگوئیوں کے مطابق جب گھوڑے سے گرے اور آپ کے سر میں سخت چوٹ آئی تو ایک رات آپ کو خیال پیدا ہوا کہ ورم دل کی طرف جارہا ہے اس وقت آپ نے قلم دوات طلب فرمائی اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اس کو لفافہ میں بند کر دیا پھر کچھ لفافہ پر بھی ارقام فرمایا اور شیخ تیمور صاحب کو جو آپ کی خدمت میں رہتے تھے یہ کہتے ہوئے دیا کہ اگر میری وفات ہوجائے تو اس پر جو لکھا ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے ان کی روایت ہے کہ اس لفافہ پر لکھا تھا عَلٰی اُسْوَۃِ اَبِیْ بَکْرٍ جس کا نام اس لفافہ میں ہے اس کی بیعت کرو اور اندر نام لکھا تھا: ''محمود احمد''۔ (الفضل 6 ستمبر 1914ء)

پسرِ موعود کے بارہ میں یقین

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی وفات سے چھ ماہ قبل حضرت پیر منظور محمد صاحب مصنف قاعدہ یسرنا القرآن نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے آج حضرت اقدس علیہ السلام کے اشتہارات پڑھ کر پتہ مل گیا کہ پسر موعود میاں صاحب ہی ہیں۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا: ''ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں''۔ پیر صاحب موصوف نے یہی الفاظ لکھ کر تصدیق کے لئے پیش کئے تو حضرت خلیفہ اوّلؓ نے ان پر تحریر فرمایا ''یہ لفظ میں نے برادرم پیر منظور محمد سے کہے ہیں۔ نورالدین 10 ستمبر 1913ء''۔ (رسالہ پسر موعود صفحہ 28)

آپؓ فرماتے ہیں 11 ستمبر 1913ء کی شام کے بعد (اوپر والے واقعہ کے اگلے روز) حضرت خلیفۃ المسیح گھر میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں پاؤں سہلانے لگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بغیر کسی گفتگو اور تذکرہ کے خود بخود فرمایا ''ابھی یہ مضمون شائع نہ کرنا۔ جب مخالفت ہو اس وقت شائع کرنا۔'' (پسر موعود صفحہ 27)

مسند احمد بن حنبل کی تدوین کا کام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''جلسہ سالانہ کے چند ہی دن بعد حضرت خلیفۃ المسیح بیمار ہوگئے اور آپ کی علالت روز بروز بڑھنے لگی مگر ان بیماری کے دنوں میں بھی آپ تعلیم کا کام کرتے رہتے مولوی محمد علی صاحب قرآن شریف کے بعض مقامات کے متعلق آپ سے سوال کرتے اور آپ جواب لکھواتے کچھ اور لوگوں کو بھی پڑھاتے۔ ایک دن اسی طرح پڑھا رہے تھے۔ مسند احمد کا سبق تھا آپ نے پڑھاتے پڑھاتے فرمایا کہ مسند احمد حدیث کی نہایت معتبر کتاب ہے۔ بخاری کا درجہ رکھتی ہے مگر افسوس ہے کہ اس میں بعض غیر معتبر روایات امام احمد بن حنبل کے ایک شاگرد اور ان کے بیٹے کی طرف سے شامل ہوگئی ہیں جو اس پایہ کی نہیں ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اصل کتاب کو علیحدہ کر لیا جاتا۔ مگر افسوس کہ یہ کام میرے وقت میں نہیں ہوسکا۔ اب شاید میاں کے وقت میں ہوجاوے۔ اتنے میں مولوی سید سرور شاہ صاحب آگئے اور آپ نے ان کے سامنے یہ بات پھر دہرائی اور کہا کہ ہمارے وقت میں تو یہ کام نہیں ہوسکا۔ آپ میاں کے وقت میں اس کام کو پورا کریں۔ یہ بات وفات سے دوماہ پہلے فرمائی۔'' (انوارالعلوم جلد 6 صفحہ 299)

1962ء کے آخر میں وقف جدید کے نئے سال کا پیغام دیتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے یہی بتایا تھا کہ میرے زمانہ میں احمدیت پھیلے گی۔ (الفضل 23 جنوری 1963ء)

قرآن میرے بعد میاں محمود سے پڑھ لینا

آپؓ نے ایک مرتبہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری لاہوری کو جو اس وقت مصر میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تحریر فرمایا ''تمہیں وہاں سے کسی شخص سے قرآن پڑھنے کی ضرورت نہیں جب تم واپس قادیان آؤ گے تو ہمارا علم قرآن پہلے سے بھی انشاءاللہ بڑھا ہوا ہوگا اور اگر ہم نہ ہوئے تو میاں محمود سے قرآن پڑھ لینا۔'' (الفضل یکم اپریل 1914ء)

حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کو نصیحت

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے آپ سے فرمایا: اگر میری زندگی میں قرآن ختم نہ ہوا تو بعد ازاں میاں صاحب سے پڑھ لینا۔ (الفضل 14 مارچ 1931ء)

حضرت غلام حسین صاحب کا حلفیہ بیان

''خاکسار کو رؤیا میں دکھایا گیا کہ چاند آسمان سے ٹوٹ کر حضرت (اماں جان) کی جھولی میں آپڑا ہے پھر دوسری رؤیا میں دکھایا گیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے بعد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ ہوں گے۔ ان کی نصرت ہوگی اور ان پر

وحی بھی نازل ہوگی۔ یہ دونوں خوابیں میں نے لکھ کر حضرت خلیفہ اوّلؓ کے حضور بھیج دیں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ ''آپ کی خوابیں مبارک ہیں'' پھر جب میں قادیان جلسہ سالانہ پر گیا تو علیحدگی میں بندہ نے روبرو میاں عبدالحئی صاحب مرحوم حضرت خلیفہ اوّل سے عرض کیا کہ یا حضرت! جو خوابیں میں نے آپ کو تحریر کی تھیں ان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے بعد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ ہوں گے۔ حضرت خلیفہ اول اور میاں عبدالحئی صاحب مرحوم چارپائی پر بیٹھے تھے اور میں نیچے پیڑھی پر بیٹھا تھا۔ حضور نے جھک کر مجھ کو فرمایا ''اسی لئے اس کی ابھی سے مخالفت شروع ہوگئی ہے۔'' پھر میں نے عرض کیا یا حضرت سچے کا نشان بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کی مخالفت ہو آپ نے فرمایا ''ہاں سچے کا یہی نشان ہوتا ہے۔''

(الفضل یکم فروری 1938ء)

آخری وصیت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات کے بعد میرا منشاء نہیں تھا کہ میں عورتوں میں درس دیا کروں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بہت ہی بڑی ہمت کا کام ہے کہ ایسے عظیم الشان والد کی وفات کے تیسرے روز ہی امۃ الحئی نے مجھے رقعہ لکھا۔ اس وقت میری ان سے شادی نہیں ہوئی تھی کہ مولوی صاحب مرحوم اپنی زندگی میں ہمیشہ عورتوں میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے اب آپ کو خدا نے خلیفہ بنایا ہے حضرت مولوی صاحب نے اپنی آخری ساعت میں مجھے وصیت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد میاں سے کہہ دینا کہ وہ عورتوں میں درس دیا کریں۔ اس لئے میں اپنے والد کی وصیت آپ تک پہنچاتی ہوں وہ کام جو میرے والد صاحب کیا کرتے تھے اب آپ اس کو جاری رکھیں۔'' (الفضل 20 دسمبر 1924ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا اظہار خوشنودی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

''جب حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد میں نے ''صادقوں کی روشنی کو کون دُور کرسکتا ہے؟'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تو حضرت خلیفہ اوّل نے مولوی محمد علی صاحب کو کہا کہ مولوی صاحب! مسیح موعودؑ کی وفات پر مخالفین نے جو اعتراض کئے ہیں ان کے جواب میں تم نے بھی لکھا ہے اور میں نے بھی۔ مگر میاں ہم دونوں سے بڑھ گیا ہے۔ پھر یہی کتاب حضرت مولوی صاحب نے بذریعہ رجسٹری مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھیجی۔ وہ کیوں؟ محمد حسین صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب کی اولاد اچھی نہیں ہے۔ اس لئے یہ کتاب بھیج کر حضرت مولوی صاحب نے ان کو لکھوایا کہ حضرت مرزا صاحب کی اولاد میں سے ایک نے تو یہ کتاب لکھی ہے جو میں تمہاری طرف بھیجتا ہوں۔ تمہاری اولاد میں سے کسی نے کوئی کتاب لکھی ہو تو مجھے بھیج دو۔''

(انوارالعلوم جلد 4 صفحہ 350، 351)

حج بیت اللہ کے لئے روانگی

حضرت صاحبزادہ صاحب حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے 26 ستمبر 1912ء کو روانہ ہونے والے تھے۔ چنانچہ 25 ستمبر کو قادیان میں ایک الوداعی تقریب منعقد کی گئی۔ اس تقریب میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بھی تشریف لائے۔ یہ پروگرام تلاوت قرآن کریم سے شروع ہوا۔ اس میں بزرگوں نے تقاریر کیں دو طالبعلموں نے نظمیں بھی پڑھیں۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّرؓ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ: حضرت خلیفۃ المسیح کے ایام علالت میں ایک دن میں نے گھبرا کر بہت دعا کی تو میں نے خواب میں حضرت خلیفۃ المسیح کو دیکھا کہ میاں صاحب بشیرالدین محمود احمد کو پکڑے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''یہ پہلے بھی اوّل تھے۔ اب بھی اوّل ہیں۔'' (بدر 3 اکتوبر 1912ء)

محبت کے انداز

وفات سے قبل اپنے فرزند میاں عبدالحئی کو بلایا اور جو باتیں کیں ان میں یہ بھی فرمایا کہ: ''حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور خدا کا برگزیدہ انسان سمجھتا ہوں۔ مجھے ان سے اتنی محبت تھی کہ جتنی میں نے ان کی اولاد سے کی۔ تم سے نہیں کی۔''

(حیات نور صفحہ 710)

محترم ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے اپنے صاحبزادہ میاں عبدالحئی صاحب مرحوم کو فرمایا:

''میاں تم سے ہمیں بہت محبت ہے۔ لیکن حضرت صاحب کی اولاد ہمیں تم سے بھی زیادہ پیاری ہے۔'' (حیات نور صفحہ 710 حاشیہ)

اس محبت کے سب سے زیادہ مورد حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب ہی ہوئے اور اس زمانہ کے واقعات اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔

مکرم مولانا ظہور حسین صاحب ہی کا بیان ہے کہ ''ایک دن جب حضور درس دے چکے تو مجھے فرمایا کہ تم بیٹھے رہو آپ نے ایک خط لکھا اور سادہ لفافہ میں ڈال کر فرمایا کہ میاں محمود احمد صاحب کو دے آؤ۔ میں نے وہ خط لے لیا۔ جب میں مسجد مبارک کے نیچے مسقّف حصے پر پہنچا تو میرے دل میں خیال آیا میں پڑھ تو لوں کہ کیا لکھا ہے۔ جب میں نے پڑھا تو میری حیرانی کی حد نہ رہی کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے حضرت میاں صاحب کو اس طرح ادب اور محبت سے مخاطب کیا ہوا تھا جس طرح کسی بڑے بزرگ کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ مجھے اس وقت خیال آیا کہ اوہو! حضرت میاں صاحب کا اتنا بڑا مقام ہے۔ اس خط کا یہ مضمون تھا کہ بازار میں بعض احمدیوں کے جھگڑے ہوتے رہتے ہیں دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کردے۔''

(حیات نور صفحہ 601، 602)

لاہور کے ایک دوست شوق محمد صاحب عرائض نویس بیان کرتے ہیں کہ ''1903ء میں مَیں قادیان میں بغرض تعلیم مقیم تھا۔ میں نے اپنے زمانۂ قیام دارالامان میں متعدد بار دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بچپن میں ہی چلتے وقت نہایت نیچی نظریں رکھا کرتے تھے اور چونکہ آپ کو آشوب چشم کا عارضہ عموماً رہتا تھا اس لئے کئی بار میں نے حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل کو خود اپنے ہاتھ سے آپ کی آنکھوں میں دوائی ڈالتے دیکھا۔ وہ دوائی ڈالتے وقت عموماً نہایت محبت اور شفقت سے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا کرتے اور رخسار مبارک پر دستِ مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا کرتے ''میاں تو بڑا ہی میاں آدمی ہے۔ اے مولا! اے میرے قادر مطلق مولا! اس کو زمانہ کا امام بنادے'' بعض اوقات فرماتے ''اس کو سارے جہان کا امام بنادے'' مجھ کو حضور کا یہ فقرہ اس لئے

چھپتا کہ آپ کسی اور کے لئے ایسی دعا نہیں کرتے صرف ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔ چونکہ طبیعت میں شوخی تھی۔ اس لئے میں نے ایک روز کہہ ہی دیا کہ آپ میاں صاحب کے لئے اس قدر عظیم الشان دعا کرتے ہیں، کسی اور شخص کے لئے ایسی دعا کیوں نہیں کرتے۔ اس پر حضور نے فرمایا "اس نے تو امام ضرور بننا ہے۔ میں تو صرف حصول ثواب کے لئے دعا کرتا ہوں ورنہ اس میں میری دعا کی ضرورت نہیں"۔ میں یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا۔ (الفضل 13؍مارچ 1938ء)

ایسا ہی ایک غیر احمدی دوست سید صادق علی شاہ صاحب گیلانی ریلوے اسٹیشن پشاور شہر 1908ء سے لے کر 1911ء تک قادیان میں بغرض حصول تعلیم مقیم رہے۔ انہوں نے ایک دفعہ اس زمانہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ "ایک دن جب مولوی صاحب (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) گھوڑی سے گرنے کی چوٹ کی وجہ سے علیل تھے مگر کسی قدر اچھی حالت میں تھے تو ایک چھوٹے سے غالیچہ پر ایک پتلی سی رضائی یا لوئی لے کر تشریف رکھتے تھے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر اسی کمرے کی چٹائی پر ذرا دور جا بیٹھے۔ پتہ نہیں کس کام کے لئے وہاں گئے اور پھر وہیں چند منٹ بیٹھے رہے اور ان کی سابقہ مسند خالی تھی اور وہ رضائی یا لوئی حلقہ باندھے مسند پر پڑی تھی جس طرح آدمی فرش پر رضائی اوڑھ کر بیٹھا ہوا ہو اور پھر رضائی کو وہیں چھوڑ کر چلا جائے تو رضائی یا لوئی کا مسند پر حلقہ سا بن جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے ابھی کوئی اٹھ کر گیا ہے۔ مولوی صاحب کی نشست گاہ اسی طرح خالی پڑی تھی اور مولوی صاحب خود ذرا فاصلہ پر تشریف فرما تھے اور خواجہ کمال الدین صاحب سے باتیں کر رہے تھے اتنے میں میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب آ گئے۔ تمام کمرہ میں صرف چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ حضرت مولوی صاحب کی چھوٹے سے غالیچہ والی مسند تھی۔ مولوی صاحب نے میاں صاحب کو فرمایا کہ آپ وہاں میری جگہ پر بیٹھ جائیں۔ اس وقت میاں صاحب بالکل نوعمر تھے آپ خاموش رہے اور پاسِ ادب کی وجہ سے مولوی صاحب کی نشست پر نہ بیٹھے۔ مولوی صاحب نے پھر فرمایا اور ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ وہاں بیٹھ جاؤ۔ پھر بھی میاں صاحب نے تامل کیا۔ پھر مولوی صاحب نے سہ بارہ فرمایا اور ساتھ ہی خواجہ کمال الدین صاحب نے بھی کہا کہ میاں صاحب بیٹھ جاؤ۔ پھر میاں صاحب اس مسند پر بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب کے اس اصرار سے حاضرین پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے یقین کر لیا کہ مولوی صاحب انہیں اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں"۔

یہ واقعہ 1911ء کا ہے۔ (الفضل 2 مارچ 1938ء)

14 جون 1912ء کو احمدیہ بلڈنگ لاہور میں فرمایا:

"مرزا صاحب کی اولاد دل سے میری فدائی ہے میں سچ کہتا ہوں کہ جتنی فرمانبرداری میرا پیارا محمود، بشیر، شریف، نواب ناصر، نواب محمد علی خان کرتا ہے تم میں سے ایک بھی نظر نہیں آتا۔ میں کسی لحاظ سے نہیں کہتا بلکہ ایک امر واقعہ کا اعلان کرتا ہوں۔ ان کو خدا کی رضا کے لئے محبت ہے...... میاں محمود بالغ ہے اس سے پوچھ لو کہ وہ سچا فرمانبردار ہے۔ ہاں ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ سچا فرمانبردار نہیں۔ مگر نہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرا سچا فرمانبردار ہے...... اور ایسا فرمانبردار ہے کہ تم میں سے ایک بھی نہیں۔" (بدر 4؍جولائی 1912ء صفحہ 7)



سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وظائف

ایک دفعہ میری موجودگی میں ایک شخص نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مریدوں کو کون سے وظائف اور اذکار بتایا کرتے تھے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ حضرت اقدس علیہ السلام عام طور پر درود شریف، استغفار، لاحول، سورۃ فاتحہ اور قرآن کریم کی تلاوت کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

یونس نبی کی دعا

ایک دفعہ میں قصور شہر میں ایک تبلیغی جلسہ کی تقریب پر گیا۔ وہاں ایک دوست نے مجھ سے ذکر کیا کہ مَیں ان دنوں مشکلات اور مصائب سے گھرا ہوا تھا اس لئے میں نے سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے حضور درخواستِ دعا کی اور یہ بھی عرض کیا کہ دعا کے طور پر کوئی وظیفہ بھی بتایا جائے۔ جسے مَیں پڑھا کروں۔ حضور رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ آپ آیت کریمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کثرت سے پڑھا کریں اور اس کا وظیفہ اس طرح کریں کہ رات کے وقت اگر موسمِ سرما ہو تو منہ لحاف یا چادر میں ڈھانپ کر یہ آیتِ شریفہ پڑھیں اور پڑھتے پڑھتے سو جائیں۔ اس طرح کے عمل سے انشاء اللہ آپ کی تکالیف دور ہو جائیں گی۔

مَیں نے کہا یہ وظیفہ اس شان کا ہے کہ اگر انسان دریا کے اندر مچھلی کے پیٹ میں بھی محبوس ہو جائے تو اس ابتلاء سے بھی اللہ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے اسے نجات عطا فرما دیتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات عطا فرمائی۔

ایک دفعہ میں سخت بیمار ہو گیا اور میری حالت نازک ہو گئی۔ باوجود ہر طرح کی کوشش کے کوئی علاج کارگر نہ ہو سکا۔ اطباء اور معالجوں نے میرے متعلق یاس آلود رائے کا اظہار کر دیا۔ اس نہایت ہی خطرناک اور نازک حالت میں مجھے الہام ہوا: "یاد ایا میکه یونس بُود اندر بطنِ حوت"۔

مَیں نے اس الہام کے متعلق کئی بزرگ ہستیوں سے مطلب دریافت کیا لیکن کوئی توجیہ تسلّی بخش نہ ہو سکی۔ تب مَیں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی تفہیم کے لئے توجہ کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے سمجھایا گیا کہ اس الہام کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص کسی ایسے سخت ابتلا میں پھنس جائے جس سے بظاہر حالات نجات پانا نہایت دشوار ہو (جیسے حضرت یونس نبی علیہ السلام کے وہ ایام تھے جو آپ کو مچھلی کے پیٹ (بطنِ حوت) میں گزارنے پڑے جو ابتلا کے لحاظ سے اس قدر سخت تھے کہ ان سے نجات ناممکن نظر آتی تھی) تو ایسے شخص کو لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کے مبارک الفاظ میں تسبیح کرنی چاہئے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل نازل ہو کر ایسے ابتلاء سے نجات ملتی ہے۔

چنانچہ اس تسبیح کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے بہت جلد مجھے بظاہر اس مایوس کن مرض سے شفا عطا فرمائی۔ فالحمدلله علیٰ ذٰلک۔

(از حیات قدسی حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی)

یادوں کے دریچے سے

(عبدالرحمن شاکر)

حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک مبشر خواب

حضرت اُمّ المومنین (سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ) رضی اللہ عنہا کی تدفین سے واپس آکر دل بڑا بوجھل معلوم ہورہا تھا۔ میں نے حسب عادت کتابوں سے دل بہلانا چاہا۔ اتفاق سے مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی وہ قلمی بیاض نظر آگئی جس میں حضرت ممدوح نے کچھ اپنی یادداشتیں درج کی ہوئی ہیں اور کچھ تاریخ وار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں حضور کے فرمودہ کلمات طیّبات مرقوم ہیں۔

یہ بیاض میرے پاس کس طرح آئی؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ بیاض اور اس کے ساتھ کی ایک اور بیاض دونوں حضرت خلیفہ اوّلؓ نے کسی وقت خوش ہوکر جناب محترم مرزا محمود بیگ صاحب آف پٹی ضلع لاہور کو عنایت فرمائی تھیں۔ مرزا موصوف کے پاس عرصہ تک یہ بیاضیں پڑی رہیں۔ 1923ء میں میرے والد چوہدری نعمت اللہ صاحب گوہر بی۔ اے اور جناب مرزا صاحب موصوف گوجرہ ہائی سکول میں ملازم تھے (ویسے بھی ہم پڑوسی تھے) ایک دن مرزا صاحب نے خوش ہوکر دونوں بیاضیں والد صاحب کو دکھائیں اور فرمایا کہ ایک بیاض آپ لے لیں۔ میں آپ کو خوشی سے دیتا ہوں۔ والد صاحب نے ایک بیاض ان میں سے اُٹھالی جو عرصہ تک قادیان میں کسمپرسی کی حالت میں پڑی رہی۔

ایک دن میں نے اُسے غور سے جو مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو نہایت قیمتی باتوں سے پُر ہے۔ چنانچہ میں نے اُسے حفاظت سے رکھ لیا اور 3/اکتوبر 1947ء کو جب ہمیں گھروں سے نکالا گیا تو میں نے صرف یہی چیز گھر سے اُٹھائی۔

اس بیاض میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض غیر مطبوعہ الہامات بھی درج ہیں۔ غرضیکہ یہ نہایت ہی قیمتی اور نایاب تحفہ ہے جسے کئی بزرگان سلسلہ نے دیکھ کر حظ اُٹھایا ہے، مشورے بھی دیئے ہیں اور اس کو محفوظ کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ اسی بیاض میں 1893ء کے واقعات میں ایک جگہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے حضرت ام المومنین نوّر اللہ مرقدہا کا ایک نہایت ہی مبشر خواب درج کیا ہے جو ہدیۂ قارئین ہے: ''حضرت کے گھر میں خواب ہوا کہ ایک عورت ہے اور اس کے ساتھ بہت لڑکے اور لڑکیاں ہیں اسے جب پوچھا گیا کہ تو کون ہے تو اس نے کہا کہ میں عیسیٰؑ کی بیٹی ہوں مسلمان ہونے کے واسطے مرزا جی کے پاس آئی ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت عیسائی مسلمان ہوں گے۔''

یہ درج کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس بیاض کے ساتھ والی دوسری بیاض گزشتہ ملکی فسادات میں بمقام پٹی ضلع لاہور ضائع ہوگئی ہے۔

....

خواجہ حسن نظامی

آپ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب کی خواہر کی اولاد میں سے تھے۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ایک بلند مرتبت، صاحب اجازت صُوفی تھے۔ اور ساتھ ہی نہایت اعلیٰ درجے کے اہلِ قلم، خطیب، صحافی اور بے شمار علمی و ادبی کُتب کے مصنف بھی، آپ کے مریدوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ جس میں ہر طبقے کے لوگ پائے جاتے تھے۔ گورنمنٹ برطانیہ میں بھی اُن کا خاصہ رسوخ تھا۔ نظام حیدر آباد اور اکثر نوابوں۔ مہاراجوں سے اُن کے گہرے مراسم تھے۔

خواجہ حسن نظامی نے نہایت ہی غربت میں پرورش پائی۔ درگاہِ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب دہلوی میں جوتیوں کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ قلم سنبھالا تو لوگ ان کی تحریروں کے قائل ہوگئے۔ 1911ء میں جب جارج پنجم نے دربار کیا۔ تو اپنی تصنیفات کا گٹھڑ سر پر اُٹھا کر مختلف کیمپوں میں لے جاتے اور فروخت کرتے تھے۔ لوگ پوچھتے کہ حسن نظامی کہاں رہتا ہے تو کہتے کہ تمہارے سامنے بیٹھا ہے۔ آپ نے کئی رسائل مختلف وقتوں میں نکالے جن میں ''نظام المشائخ'' اور ''منادی'' بہت مشہور ہوئے۔ منادی میں خواجہ صاحب کی ڈائری قابلِ مطالعہ چیز تھی۔ اب اس کو ان کے بڑے صاحبزادے خواجہ حسن ثانی چلاتے ہیں۔

آپ کی مشہور تصنیفات میں ''بہادر شاہ کا مقدمہ''، ''بیگمات کے آنسو''، ''سات روحوں کے اعمال نامے''، ''نظامی بنسری''، ''محرّم نامہ''، ''دہلی کی آخری شمع''، ''دہلی کی جانکنی'' وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

خواجہ صاحب کی طبیعت میں جدّت بہت تھی۔ ان کا تتبع کرنے والا ابھی تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔ بات ہی سے بات نکال کر ایسے فقرے چُست کرجاتے تھے کہ حیرانی ہوتی تھی۔ ہر عید کے موقع پر شرفاء شہر، عمائدین حکومت اور سرکاری حکام کو اپنے ہاں بلوا کر ان کی خاطر تواضع فرماتے حتیٰ کہ حضرت قائداعظم بھی جایا کرتے اور اہل دہلی کی طرح زمین پر آلتی پالتی مار کر کھانا بھی کھایا کرتے تھے۔

1950ء میں ایک دفعہ خواجہ صاحب پاکستان بھی آئے۔ جب قائداعظم کے مزار پر حاضر ہوئے تو ان کے مشہور مرید کشفی شاہ صاحب نظامی (ایس۔ایم ظفر صاحب سابق وزیر خارجہ پاکستان کے والد) بھی ہمراہ تھے۔ فاتحہ خوانی کے وقت خواجہ صاحب زار زار روتے تھے...... اور دیر تک یہی عالم رہا۔ خواجہ صاحب مسلمانوں کے دل سے بہی خواہ تھے اور اتحاد بین المسلمین کے بہت قائل تھے۔ نیز آپ نے مسلمانوں کو تجارت کی طرف لگانے میں بہت کام کیا ہے۔

خاکسار راقم الحروف کو 1934ء میں دہلی میں متعدد بار خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ ان دنوں میں رسالہ ''پیشوا'' دہلی میں ملازم تھا۔ ایک دن خواجہ صاحب تشریف فرما تھے تو میں نے ایک کارڈ اردو میں لکھا۔ اور اس کا پتہ انگریزی میں لکھ مارا۔ خواجہ صاحب نے مجھے فرمایا ''میاں۔ آپ نے یہ کیا کیا؟ اچھا بھلا اردو لکھتے لکھتے یہ سطر انگریزی کا پیوند لگادیا؟'' فرماتے تھے کہ ڈاک خانے والوں کو مجبور کرو کہ وہ اردو پڑھیں۔ میں سمجھ گیا اور آئندہ کے لئے کان ہوئے۔

جب 7/اگست 1947ء کو قائداعظم کراچی کو روانہ ہوئے تو پالم ائر پورٹ پر قائداعظم کو الوداع کہنے والوں میں خواجہ صاحب پیش پیش تھے۔ قائداعظم نے اس وقت فرمایا: خواجہ صاحب! آپ پاکستان آجائیں۔ آپ نے جواب دیا کہ آ تو جاتا مگر حضرت محبوب الٰہی جانے نہیں دیتے۔ یہ کہہ کر پُرنم آنکھوں سے پاکستان

کے پہلے گورنر جنرل کو رخصت فرمایا۔ اکبرالہ آبادی نے تو بہت پہلے لکھ دیا تھا ؎

حضرت ابو ہریرہ سے بلّی نہ چُھٹ سکی
خواجہ حسن نظامی سے دلّی نہ چُھٹ سکی

آپ نے 31/جولائی 1955ءکو دہلی میں وفات پائی۔ اور درگاہ شریف میں دفن ہوئے۔

....

''مرزا صاحب کی سفارش''

میری بڑی لڑکی نے ایف۔اے پاس کرلیا تو بزرگوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ اسے لیڈی میکلیگن ٹریننگ کالج لاہور میں داخل کرایا جائے۔ چنانچہ لاہور پہنچ کر میں نے ایک محترم دوست سے ذکر کیا کہ آجکل سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ آپ بھی ہمیں کسی بڑے آدمی کی سفارش لے دیں۔ وہ فرمانے لگے کہ لیڈی میکلیگن ہائی سکول میں (جو کالج سے ملحق ہے) شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی صاحبزادی ہیڈمسٹریس ہیں، اُن سے ملنا وہ پرنسپل صاحب سے سفارش کر کے کام بنوادیں گی۔ میں نے ان کو حیران ہوکر کہا کہ واہ! آپ نے مجھے یہ کیا کہہ دیا؟ اُن سے میرا کیا واسطہ؟ میرا کام ہو یا نہ ہو میں اُن کی سفارش نہیں چاہتا۔ ہم ان کی سفارش کے بغیر ہی اچھے ہیں اور یہ شعر پڑھا ؎

اے خوش آں جوئے تُنک مایه که ازذوقِ خودی
در دلِ خاکِ فرو رفت و بدریانه رسید

(ترجمہ: خوش نصیب ہے وہ ناچیز ندی کہ اپنے وجود اور انفرادیت کو قائم رکھنے کے لئے سمندر کی آغوش میں کھونے کی بجائے خاک میں مل جائے۔)

حقیقت یہ ہے کہ مجھے ان کے فقروں سے سخت اذیت ہوئی اور ہم بغیر کسی سفارش کے وقتِ مقررہ پر کالج پہنچ گئے۔ وہاں پر ایک جمِ غفیر موجود تھا۔ بعض لوگ کاروں میں آئے ہوئے تھے۔ بعض خوب سوٹ بوٹ پہن کر آئے ہوئے تھے اور ادھر اُدھر یوں ٹہل رہے تھے گویا کہ ان کو کوئی خاص بلاوا گیا ہے۔ کالج والوں نے لڑکیوں کے لئے قناتیں لگوا کر پردہ کرادیا ہوا تھا۔ اور اندر کرسیاں بچھوادی تھیں تاکہ لڑکیاں آرام سے بیٹھ سکیں۔ میں نے بھی اپنی لڑکی کو اندر بھجوادیا اور خود ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

چونکہ مَیں سب سے بعد میں آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر جو لوگ پہلے آئے ہوئے تھے پوچھنے لگے کہ کیوں جی! آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے بتایا کہ میں ربوہ سے آیا ہوں۔ بس پھر کیا تھا گفتگو کا دھارا میری طرف مڑ گیا۔ ہر طرف سے سوال ہونے لگے 'سناؤ ربوہ کا کیا حال ہے؟'۔ 'وہاں پر درخت اُگے ہیں کہ نہیں؟'۔ 'سنا ہے وہاں پانی نہیں ملتا؟'۔ 'وہاں پر کوئی دکان بھی ہے یا نہیں یا سودا چنیوٹ سے لاتے ہو؟'۔ 'میرا تو یہ تجربہ ہے کہ جہاں ایک مرزائی ہو وہاں بہت جلد دو ہوجاتے ہیں'۔ 'ان میں بڑا اتحاد ہوتا ہے۔ یہ بڑے مالدار لوگ ہوتے ہیں'۔ 'انہوں نے جنگل میں منگل بنادیا ہوا ہے'۔ غرضیکہ جتنے مُنہ اتنی باتیں ہونے لگیں۔

ایک صاحب جو بہت بڑی سفید ریش کے مالک تھے مجھے طنز سے کہنے لگے کہ 'آپ تو مرزا صاحب کی سفارش لے کر آئے ہوں گے؟'۔ یہ بات مجھے کاٹ گئی۔ مَیں نے ان کو کہا کہ اس میں مرزا صاحب کا کیا دخل ہے؟ یہ تو میرا پرائیویٹ معاملہ ہے۔ مگر وہ دوسرے احباب کو مخاطب کر کے یہی کہتے رہے کہ 'جناب ہم کو خوب معلوم ہے کہ آپ کے مرزا صاحب کی سفارش ہر جگہ چلتی ہے، ان کی سفارش کو بھلا کون ردّ کرسکتا ہے؟' (مَیں دل میں کہہ رہا تھا کہ خدا کرے ایسا ہی ہو)۔

اُن کے ہاتھ میں سفارشی خطوط دیکھ کر میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کس کس کی سفارش لائے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ ایک تو ایک وزیر صاحب کی ہے، دوسری ایک ایم ایل اے کی ہے اور تیسری ایک پرنسپل صاحب کی۔ مَیں نے دل میں کہا کہ میں بھی اگر کوشش کرتا تو کسی نہ کسی سے سفارش لے ہی آتا مگر اب تو وقت گزر چکا ہے۔ اسی حالت میں ایک طرف جاکر علیحدگی میں دعا کی کہ ''خدایا! یہاں تو معاملہ بے ڈھب آپھنسا ہے۔ اب ہماری لاج تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ خدایا! اب تو حضرت مرزا صاحبؑ کی عزّت وحرمت جو تیری بارگاہ میں ہے اسی کا واسطہ دیتا ہوں کہ خواہ کچھ ہو میری لڑکی کو داخلہ مل جائے۔ ان لوگوں نے دراصل حضرت مرزا صاحب کو مذاق کیا ہے جو یقیناً تجھے کسی صورت میں منظور نہیں۔

اس کے بعد وہ خاص حالت دعا والی جاتی رہی۔ اور میں آکر پھر اُسی گروہ میں کھڑا ہوگیا۔ وہی لمبی داڑھی والے ملتانی سٹیشن ماسٹر صاحب مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ ''مرزا صاحب! آپ کہاں چلے گئے تھے؟'' مگر مَیں خاموش رہا۔

کالج والوں نے ہر ضلع کا کوٹا مقرر کیا ہوا تھا۔ اور اعلیٰ نمبروں کے لحاظ سے انتخاب ہونا تھا۔ اب وقت آگیا تھا کہ مرزا صاحب کی سفارش اپنا عمل دکھائے۔ جب لڑکیاں ضلع وار ترتیب سے کھڑی ہوگئیں تو پرنسپل صاحبہ نے نظر دوڑائی۔ دیکھا کہ ضلع جھنگ سے صرف میری ہی لڑکی درخواست کنندہ تھی۔ اسے پرنسپل صاحبہ نے وہیں کہہ دیا کہ تم کو میں نے رکھ لیا ہے، تم گھر جاسکتی ہو۔

خلافِ توقع جب میری لڑکی اندر سے نکل کر میری طرف بڑھی اور مجھے کہا کہ آؤ چلیں، تو میں گھبرا گیا۔ میں نے سمجھا کہ شاید اسے نکال دیا ہے۔ مگر اس نے مجھے بتایا کہ اُسے رکھ لیا گیا ہے تو میری تسلی ہوگئی۔

اب جو ہم وہاں سے چلنے لگے تو وہی سٹیشن ماسٹر صاحب میری طرف لپکے اور کہنے لگے کہ جناب مرزا صاحب! ذرا بتا تو جائیے اندر کیا کیا سوالات ہوئے؟۔

میں نے کہا کہ میری لڑکی سے انہوں نے کچھ نہیں پوچھا، اس کے کاغذات دیکھ کر اُسے رکھنا منظور کرلیا ہے اور بس۔ اس پر وہ دوسرے احباب کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ 'دیکھ لو جناب! میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ان کے مرزا صاحب کی سفارش چل جائے گی۔ چنانچہ وہی ہوا ہے'۔

اس پر تمام گروہ میں ہمارے متعلق کچھ باتیں ہونے لگیں اور ہم چلے آئے۔

جب میں سکول سیکرٹریٹ کے پاس سے انارکلی کے مقبرے کے نیچے سے گزر کر سنت نگر کو جا رہا تھا اور اس واقعہ پر غور کر رہا تھا کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے ایک کمزور اور عاجز بندے کے لئے اپنے تصرف سے سامان پیدا کردیا تو یکا یک میری نظروں سے حضرت صاحب کا چہرہ گزر گیا اور میں نے قدرے بلند آواز سے کہا ''واہ واہ! ؎

جان ڈالی ہے ترے نام نے افسانے میں'

قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ سالانہ امتحان ہوا تو فیل شدگان میں اُنہی سٹیشن ماسٹر صاحب کی صاحبزادی بھی تھی جس کا ہمیں افسوس ہوا۔ کیونکہ کالج میں میری لڑکی اور وہ بہت گھل مل کر رہا کرتی تھیں۔

اَسماءُ القرآن

(قمر داؤد کھوکھر)

امام الزماں سیّدنا حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے اپنی جماعت کوایک نصیحت یہ بھی فرمائی ہے کہ:'' سوتم قرآن کوتدبّر سے پڑھواوراس سے بہت ہی پیار کروایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔'' (کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد19 صفحہ26)

اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم الشّان فضل واحسان ہے کہ اس نے انسانوں کی رشدوہدایت کے لئے اپنی حکمت کاملہ سے قرآن کریم فرقان حمید جیسی رفیع الشان کتاب اپنے رسول اُمّی ﷺ پرنازل فرمائی جوعلم وحکمت کا ایک بے مثل اور بے بہا خزانہ ہے۔ علام الغیوب کا نازل کردہ یہ کلام مجید تمام علوم کا ایسا سرچشمہ ہے کہ جس کے علوم حدوشمار سے باہراوراس کے معانی ومفاہیم انداز وقیاس سے باہر ہیں۔

قرآن کے ظاہری معنی اہل لغت جانتے ہیں اور باطنی معنی صرف اہل قلوب پر ظاہر ہوتے اور منکشف کیے جاتے ہیں۔قرآن کریم کی عبارت عوام کے لئے ہے، قرآن کریم کے اشارات مقربین اورخواص کے لئے ہیں،قرآن کریم کے لطائف اولیاء کے لئے ہیں اورقرآن کریم کے حقائق انبیاء کے لئے ہیں۔

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی تلاوت،جس کا دیکھنا،جس کا سننا اور سنانا، جس کا سیکھنا اور سکھانا،جس پرعمل کرنا،کسی بھی حوالہ سے اس کی خدمت کرنا اجر و ثواب اوردنیا وآخرت کے لئے سعادت کا موجب ہے۔

قرآن کی اصطلاحی تعریف

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا براہ راست کلام اور بارگاہ الوہیت سے اترے ہوئے الفاظ کا مجموعہ ہے۔قرآن کی اصطلاحی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ: هُوَ كَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَلَيهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهٖ؛ یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل شدہ کلام ہے جومحمد ﷺ پرنازل ہوا جوتلاوت کے ساتھ عبارت ہے اوراس کی تلاوت کا ثواب ہے۔(ارشاد الفحول، صفحہ28)

قرآن کی اصطلاحی تعریف میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ:اَلْمُنَزَّلُ عَلَى الرَّسُولِ، اَلْمَكْتُوبُ فِي الْمَصَاحِفِ، اَلْمَنْقُولُ اِلَيْنَا نَقْلاً مُتَوَاتِراً بِلَاشُبْهَةٍ یعنی اللہ کا وہ کلام جورسول اللہ ﷺ پرنازل ہوا،مصاحف میں لکھا گیا اوررسول اللہ ﷺ سے بغیرکسی شک وشبہہ کے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔

(التلویح مع التوضیح جلد1 صفحہ26علوم القرآن ازمفتی محمدتقی عثمانی،صفحہ25)

اصول فقہ میں قرآن کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ : هُوَاللَّفْظُ وَالْمَعْنٰى جَمِيعًا؛ یعنی قرآن نام ہے الفاظ اورمعنی دونوں کا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگرمعنی قرآن کوالفاظ قرآن کے علاوہ دوسرے الفاظ یادوسری زبان میں لکھا جائے تو وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔اگرچہ مضامین بالکل صحیح اوردرست ہوں۔

اَسماءُ القرآن

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام میں قرآن سے پہلے کی نازل کی جانے والی کتب کے نام خود بیان فرمائے ہیں جیسے توراۃ، زبوراورانجیل وغیرہ اسی طرح اس نے اپنے حبیب ﷺ پرنازل ہونے والی کتاب کے نام بھی خود ہی تجویز فرمائے۔ قرآن کریم میں مذکوراس کتاب کے بنیادی طور پر پانچ نام ہیں یعنی القرآن، الکتاب، الفرقان، التنزیل اور الذکر۔ان اسماء کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بعض صفات کا بھی ذکرفرمایا ہے۔بعض علماء کے نزدیک قرآن مجید کے ناموں کی تعدادنوے(90) سے بھی متجاوز ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم کے اصل نام پانچ ہی ہیں باقی صفاتی نام ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے شافعی عالم القاضی ابوالمعالی عزیزی ابن عبدالملک (متوفی:494ہجری) نے قرآن کریم کے 55 ناموں کا ذکراپنی کتاب''البرھان فی مشکلات القرآن'' میں کیا ہے جس کا ذکر علامہ بدرالدین ابوعبداللہ محمد بن بہادر بن عبد اللہ الزرکشی (745-794 ہجری) نے اپنی کتاب''البرھان فی علوم القرآن'' میں کیا ہے۔اورنویں صدی ہجری کے مجدد امام جلال الدین سیوطیؒ (849-911 ہجری) نے بھی اپنی تصنیف''الاتقان فی علوم القرآن'' میں ان کا ذکر فرمایا ہے۔سیدنا حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے بھی اپنی تحریرات میں قرآن کریم کے بعض ناموں اوران کے معانی کا ذکرفرمایا ہے۔

ذیل میں قرآن کریم کے بعض اسماءاوران کے معنی ومفہوم کا ذکرکیا جاتا ہے:

(1)القرآن:اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عظیم الشان کلام کا نام اپنی کتاب میں ''القرآن''رکھا ہے جیسے فرمایا:اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ؛ یقیناً یہ قرآن بڑی عظمت والا ہے (الواقعہ:78)۔ایک دوسرے مقام پرفرمایا کہ: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَاالْقُرْاٰنِ؛ اوریقیناً ہم نے اس قرآن میں آیات کوبار بار بیان فرمایا ہے۔(بنی اسرائیل:42)

قرآن کا لفظ قرآن مجید کی 37 سورتوں میں 68 مختلف مقامات پرآیا ہے۔ صرف سورۃ بنی اسرائیل میں ہی یہ نام 11 مرتبہ بیان فرمایا گیا ہے۔جبکہ سورۃ النمل اورسورۃ القمر میں چار چار مرتبہ اس نام کا ذکرفرمایا گیا ہے۔(المعجم المفھرس)

لفظ قرآن کے بارہ میں ایک خیال یہ ہے کہ یہ اِسْمِ عَلَمْ ہے اورغیرمشتق ہے اورکلام اللہ کیلئے خاص ہے اس لئے ہرایک مجموعہ کلام کوقرآن ہرگزنہ کہا جائے گا۔

(مفردات امام راغب)

دوسرا خیال یہ ہے کہ لفظ قرآن عربی حروف قَرَءَ يَقْرَءُ سے نکلا ہے جس کا مصدر قِرَائَةٌ اور قُرآن دونوں طرح سے آتا ہے جس کے لغوی معنی ہیں جمع کرنا جیسے کہ آیت قرآنی میں ہے کہ: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ؛یقیناً اس کا جمع کرنا بھی اوراس کا دنیا کے سامنے سنانا بھی ہمارے ذمہ ہے(القیامۃ:18) یہ لفظ پڑھنے کے معنی میں اس لئے استعمال ہونے لگا کہ اس میں حروف اورکلمات کوجمع کیا جاتا ہے۔

امام راغبؒ الاصفہانی نے اپنی قرآن کریم کی مشہورڈکشنری'اَلْمُفْرَدَاتْ فِي غَرِيْبِ الْقُرْآنِ' میں لفظ قرآن کے تحت لکھا ہے کہ'' قرآن عرف میں یہ اس کتاب الٰہی کا نام ہے جورسول اللہ پرنازل کی گئی۔اور یہ اس کتاب کے لئے معروف نام بن چکا ہے۔جیسا کہ توراۃ اُس کتاب الٰہی کوکہا جاتا ہے جوحضرت موسیٰؑ پرنازل کی گئی اورانجیل اُس کتاب کوکہا جاتا ہے جوحضرت عیسیٰؑ پرنازل ہوئی۔''

قرآن کی وجہ تسمیہ

کلام الٰہی کا نام قرآن اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس نے سورتوں کو باہم جمع کیا ہے۔امام راغبؒ نے قرآن کی وجہ تسمیہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:'' قرآن چونکہ تمام کتب سماویہ کے ثمرہ کو اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہے بلکہ تمام علوم کے ماحصل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اس لئے اس کا نام قرآن رکھا گیا ہے۔جیسا کہ آیت: وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (یوسف:112) یعنی اور ہر چیز کی تفصیل کرنے والا ہے۔اور آیت کریمہ:تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْءٍ(النحل:90) کہ اس میں ہر چیز کا بیان مفصّل ہے، میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔'' (مفردات راغب)

نویں صدی ہجری کے مجدد امام جلال الدین سیوطیؒ (849-911 ہجری) نے اپنی تصنیف ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں علامہ جاحظ (ابو عثمان عمرو بن بحر الکنانی البصری، 255-162 ہجری) کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ: اہل عرب نے اجمالاً اور تفصیلاً اپنے کلام کے جو نام رکھے تھے خداوند کریم نے اپنی کتاب کے نام ان کے برخلاف مقرر فرمائے۔یعنی خدا نے جملۃً اپنی کتاب کا نام 'قرآن' رکھا جس طرح اہل عرب مجموعی کتاب کو دیوان کہتے تھے۔اور خدا نے اپنی کتاب کے حصہ کا نام 'سورۃ' مقرر فرمایا جیسا کہ اہل عرب 'قصیدہ' نام رکھتے تھے۔اور چھوٹے سے جملہ کا نام 'آیۃ' بیت کے مقابلہ میں رکھا۔پھر آیۃ کے آخری حصہ کو 'فاصلۃ' کا نام قافیہ کی بجائے عطا کیا۔(الاتقان،باب 17)

قرآن نام کی ایک اور وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ کتاب اللہ کا یہ نام کفار عرب کی تردید میں رکھا گیا ہے کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ: لَاتَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ؛ اس قرآن پر کان نہ دھرو اور اس کی تلاوت کے دوران شور کیا کرو۔(حٰمٓ السجدہ:27) ان کفار کے جواب میں قرآن نام رکھ کر یہ اشارہ فرمایا گیا کہ قرآن کریم کی دعوت کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے دبایا نہیں جا سکتا۔یہ کتاب پڑھنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی۔(علوم القرآن از مفتی تقی عثمانی،صفحہ 24) اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم اس روئے زمین پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام لفظ قرآن کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ'' میں نے قرآن کے لفظ میں غور کی تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے قابل کتاب ہوگی جبکہ اَور کتابیں بھی پڑھنے میں اس کے ساتھ شریک کی جائیں گی۔اس وقت اسلام کی عزت بچانے کے لئے اور بطلان کا استیصال کرنے کے لئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہوں گی۔'' (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ،جلد 3 صفحہ 766)

ایک دوسرے مقام پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: '' قرآن پہلی کتابوں کی ماں ہے۔'' (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ،جلد 4 صفحہ 98)

(2) قرآن مجید کا دوسرا نام اللہ تعالیٰ نے 'الکتاب' بیان فرمایا ہے جیسے فرمایا: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ فِيْهِ (البقرۃ:3) حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (الزخرف:2-3)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام کے لئے کتاب کا لفظ کم وبیش 78 بار استعمال فرمایا ہے۔(المعجم المفہرس)

کتاب اس صحیفہ کو کہتے ہیں جس میں کچھ لکھا ہوا ہو۔کتاب سے مراد قانون خداوندی بھی ہے اور وہ حجۃ الٰہی جو اللہ کی طرف سے ثابت ہو چکی ہو۔کتاب کا اطلاق ہر اس آسمانی کتاب پر ہوتا ہے جس میں احکام شرعیہ اور علوم حکمت ہوں۔

قرآن کریم کا نام 'کتاب' رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حد درجہ کی بلاغت کے ساتھ علوم کی اقسام،قصص اور اخبار سب کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے۔یہ کتاب ان معنوں میں بھی ہے کہ یہ احکام وحِکَم پر مبنی ہے۔جس طرح قرآن کا نام رکھ کر اللہ جل شانہٗ نے یہ بتایا تھا کہ یہ کتاب پڑھنے اور پڑھانے کیلئے نازل کی جارہی ہے اسی طرح کتاب کا نام دے کر یہ بتایا گیا کہ یہ کتاب لکھی جائے گی اور کتابی شکل میں بھی محفوظ کی جائے گی اور اس کی کثرت سے اشاعت ہوگی۔یہ ایسی کتاب ہے جس میں محو واثبات نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ ازلی ابدی کتاب ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ آیت ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: '' وہ کتاب ہے یعنی ایسی عظیم الشان اور عالی مرتبت کتاب ہے جس کی علت مادی علم الٰہی ہے۔یعنی جس کی نسبت ثابت ہے کہ جس کا منبع اور چشمہ ذات قدیم حضرت حکیم مطلق ہے۔...... یہ کتاب اس ذات عالی صفات کے علم سے ظہور پذیر ہے۔جو اپنی ذات میں بے مثل و مانند ہے جس کے علوم کاملہ واسرار دقیقہ نظر انسانی کی حد جولان سے بہت بعید اور دور ہیں۔'' (تفسیر مسیح موعودؑ،جلد:اول،صفحہ:384)

(3) قرآن مجید کا تیسرا نام اللہ تعالیٰ نے ''الفرقان'' بیان فرمایا ہے جیسے فرمایا: تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ؛ وہ ذات بڑی برکت والی ہے جس نے فرقان اپنے بندے پر اتارا ہے۔(الفرقان:2)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے لئے فرقان کا لفظ 3 بار استعمال فرمایا ہے۔(المعجم المفہرس)۔لفظ فرقان سے وہ احکام شرعیہ مراد ہیں جن سے جائز و ناجائز کا علم ہوتا ہے۔فرقان نام میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن ہر زمانہ کے لئے حق وباطل،حلال وحرام اور سچ وجھوٹ کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔اور یہ معنی بھی ہیں کہ جن مسائل میں یہود ونصاریٰ جھگڑتے چلے آرہے تھے ان اختلافات کا فیصلہ بھی قرآن کریم کرنے والا ہے یا اس نے یہ فیصلہ کر دیا ہے۔

فرقان نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حق وباطل عقائد میں فرق وامتیاز کرنے والا ہے،اچھے اور برے اعمال کو بالکل الگ بیان کرنے والا ہے۔اس نام کی ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن نے حق و باطل کے درمیان تمیز کر دی ہے۔اور آئندہ بھی یہی ایک کتاب حق وباطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی۔

حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ:'' وہ اپنے دلائل کے ساتھ حق اور باطل میں فرق کرتا ہے۔'' (ازالہ اوہام،روحانی خزائن،جلد 3 صفحہ 454)

(4) قرآن مجید کا چوتھا نام ''اَلتَّنْزِيْلُ'' بیان ہوا ہے جیسے فرمایا: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ؛ اور یقیناً یہ ربُّ العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے۔(الشعراء:193)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام کے لئے 'التنزیل' کا لفظ 14 بار استعمال فرمایا ہے۔(المعجم المفہرس) تنزیل بمعنی عَلٰى سَبِيْلِ التَّدْرِيْجِ نازل ہونے کے ہیں یا تنزیل سے مراد ایک چیز کو ایک مرتبہ کی بعد دوسری بار متفرق طور پر نازل کرنے کے ہوتے ہیں۔مراد اس سے یہ ہے کہ قرآن کو آہستہ آہستہ اتارا گیا ہے۔یعنی قرآن یا قرآنی علوم کا نزول رسول اللہ ﷺ پر بتدریج ہوا ہے۔سارا کلام الٰہی،سارا دین اور دین کا سارا علم ایک دم میں قلب محمد ﷺ پر نہیں ڈالا گیا بلکہ

تئیس سال میں یہ دَور مکمل ہوا۔اور ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا سکھائی گئی ؛ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً؛ اے میرے ربّ! میرے علم میں اضافہ فرما۔

انزال کے معنی ہیں ایک ہی وقت میں یکدم مجموعی طور پر نازل کرنا اور تنزیل کے معنی ہیں تھوڑا تھوڑا آہستہ آہستہ بوقت ضرورت اتارنا۔قرآن کی یہ دونوں صفتیں ہیں۔بعض جگہ اس کو انزال سے بیان کیا گیا ہے جیسے فرمایا: وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ؛ اور ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا ہے اور حق کے ساتھ اترا ہے (سورۃ بنی اسرائیل:106) اور تئیس سال میں آہستہ آہستہ،تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی وجہ سے اسے تنزیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

قرآن کریم آہستہ آہستہ تدریجاً اس لئے نازل کیا گیا تا کہ رسول اللہ ﷺ اسے اچھی طرح یاد کرنے کے بعد اسے اچھی طرح محفوظ فرمالیں۔

(5) قرآن مجید کا پانچواں نام اللہ تعالیٰ نے ''ذکر'' بیان فرمایا۔جیسے فرمایا: وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ؛ اور یہ قرآن ایک ایسی یاددہانی کرنے والی کتاب ہے جس میں تمام آسمانی کتابوں کی خوبیاں بہہ کر آگئی ہیں اس کو ہم نے اتارا ہے۔(الانبیاء:51)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام کے لئے ''ذکر'' کا لفظ 21 بار استعمال فرمایا ہے۔(المعجم المفہرس)۔ویسے تو اللہ تعالیٰ نے ہر آسمانی کتاب کو ذکر سے موسوم فرمایا ہے جیسے کہ فرمایا: فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ؛ (النحل:44،الانبیاء:8) لیکن قرآن کریم کو خصوصیت کے ساتھ 21 مقامات پر اسے ذکر قرار دیا ہے۔

قرآن فی نفسہٖ مبارک ہے جیسا کہ فرمایا: وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ؛ اور یہ بابرکت ذکر ہے جو ہم نے اتارا ہے۔(سورۃ الانبیاء:51) یعنی یہ قرآن کثیر الخیر و النفع ہے کہ اس سے دنیاوی واخروی برکتیں حاصل کی جاتی ہیں۔

مفسر قرآن امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں سورہ طٰہٰ کی آیت:100 (وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا؛ اور ہم نے تجھے اپنے پاس سے ذکر یعنی قرآن عطا فرمایا ہے) کی تفسیر میں قرآن مجید کا نام ذکر رکھنے کی حسب ذیل تین وجوہ بیان کی ہیں:

(1) یہ وہ لقب ہے جو ان امور دینی و دنیاوی پر مشتمل ہے جن کی مومن کو ضرورت ہے۔(2) اس میں انواع نعمت الٰہیہ کا ذکر ہے جس سے انسان کو تذکیر وموعظت نصیب ہوتی ہے۔(3) اس میں نبی پاک ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کا ذکر ہے اور اس سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے شرف کا اظہار ہے۔

ذکر کے ایک معنی موعظت کے ہیں یعنی جس سے نصیحت حاصل کی جائے اور اس پر عمل کر کے آداب دین واسلام سیکھے جائیں۔

ذکر نام کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نصائح اور گزشتہ اقوام کے حالات وواقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ قول نقل کیا ہے: قَالُوْا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ؛ کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں (النحل:25)۔اس کے جواب میں قرآن کو ذکر قرار دیا کہ یہ تو ایک نصیحت ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر یہ فرمایا ہے کہ: وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ؛ قسم ہے قرآن کی جو ہر قسم کی نصائح سے پر ہے۔(ص:2) اس آیت سے ذکر کے معنی کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ قرآن تو نصیحت دینے والا ہے اس لئے یہ سینوں سے محو نہ ہوگا۔ذی الذکر اس لئے بھی ہے کہ یہ ذکر پُرمشتمل ہے اور اس سے ذکر حاصل ہوتا ہے۔بلحاظ قوت وصلاحیت سب کے لئے ذکر ہے، باعتبار حصول نفع اہل استقامت اور اصحاب تقویٰ کے لئے ذکر ہے۔

قرآن کو ذکر اس لئے بھی کہا گیا ہے کہ یہ بندوں کو ان کی ضرورتوں کے متعلق رہنمائی کرتا اور نصیحت فرماتا ہے۔یہ ذکر اس لئے بھی ہے کہ قرآن انسانوں کے دین و دنیا اور آخرت کے مصالح ومنافع کا ذکر کرتا ہے اور مبدأ ومعاد کی حقیقت ان پر کھولتا ہے۔وہ تمام راستے بتاتا ہے کہ جن کے نتیجہ میں نفس انسانی درجہ کمال کو پہنچتا ہے۔قرآن کریم ذکر ان معنوں میں بھی ہے کہ یہ ان نعمتوں کا ذکر کرتا اور ان کی یاد دلاتا ہے جو اللہ نے اپنے بندوں پر نازل فرمائی ہیں اور ان سے زیادہ بڑی نعمتوں کے حصول کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اس کے علاوہ عزت وشرف کو بھی ذکر کہا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا ہے: اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ؛ یہ تیرے اور تیری قوم کے لئے شرف وعزت کا موجب ہے (الزخرف:45)۔اس سے مراد یہ ہے کہ تمہاری شرافت اور بزرگی اس کتاب میں ہے کہ یہ تمہاری زبان عربی میں نازل ہوئی ہے۔لہٰذا ذکر نام سے یہ بتایا گیا کہ قرآن کے ذریعہ اس کے ماننے والوں کو شرف وعزت نصیب ہوگی۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآن کریم کے ذکر نام رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''قرآن کریم کا نام ذکر رکھا گیا ہے اس لئے کہ وہ انسان کی اندرونی شریعت یاد دلاتا ہے...... جو انسان کے اندر مختلف طاقتوں کی صورت میں رکھی ہے۔حلم ہے، ایثار ہے، شجاعت ہے، جبر ہے، غضب ہے، قناعت ہے وغیرہ۔غرض جو فطرت باطن میں رکھی تھی قرآن نے اسے یاد دلایا جیسے: فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (الواقعہ:79) یعنی صحیفہ فطرت میں کہ جو چھپی ہوئی کتاب تھی اور جس کو ہر ایک شخص نہ دیکھ سکتا تھا۔اسی طرح اس کتاب کا نام ذکر بیان کیا تا کہ وہ پڑھی جاوے تو وہ اندرونی اور روحانی قوتوں اور اس نور قلب کو جو آسمانی ودیعت انسان کے اندر ہے یاد دلاوے۔'' (ملفوظات، جلد اول صفحہ 96)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سورہ تکویر کی آیت: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ؛ یہ قرآن تو تمام جہانوں کے لئے ایک بڑی نصیحت ہی ہے (التکویر:28) میں مذکور ذکر کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ: ''قرآن ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے یعنی ہر ایک قسم کی فطرت کو اس کے کمالات مطلوبہ یاد دلاتا ہے اور ہر یک رتبہ کا آدمی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔'' (تفسیر مسیح موعودؑ، جلد 4 صفحہ 560)

قرآن کریم کے 67 صفاتی نام

قرآن کریم میں اس کی بعض صفات جلالت شان بالذات کی وجہ سے ہیں اور بعض صفات من حیث الافاضہ لائی گئی ہیں۔ذیل میں حروف تہجی کے اعتبار سے قرآن کریم کے 67 صفاتی ناموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(1) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'احسن تفسیر' ہے جیسے فرمایا: وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا؛ اور وہ تیرے سامنے کوئی حجت نہیں لاتے مگر ہم تیرے پاس حق لے آتے ہیں اور بہترین تفسیر بھی۔(الفرقان:34)

تفسیر کے لغوی معنی کسی چیز کی معنوی صفت کو ظاہر کرنے کے ہیں۔قرآن کو احسن تفسیر اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اپنی آیات کی خود بہترین شرح کرنے والا ہے۔

(2) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ' ہے جیسے فرمایا: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ؛ اللہ وہ ہے جس نے بہتر سے بہتر بات نازل کی۔(الزمر:24)

(3) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'امر' ہے جیسے فرمایا: ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗ اِلَيْكُمْ؛ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے۔(الطلاق:6)

(4) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'ایمان' ہے جیسے فرمایا: سَمِعْنَا مُنَادِیاً یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ؛ ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا ہے۔(آل عمران:194)

(5) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'برھان' ہے جیسے فرمایا: یَآ اَیُّھَا النَّا سُ قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؛ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک کھلی دلیل آچکی ہے۔(النساء:174)

''برہان'' روشن دلیل اور حجت کو کہا جاتا ہے۔یعنی ایسی دلیل قاطع جو تمام دلائل سے زوردار ہو اور ہر حال میں سچ پر مبنی ہو۔ برہان ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے مطلوب کو دلائل سے واضح کیا جاسکے۔اس لئے معجزہ کو بھی برہان کہا جاتا ہے۔جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے بیان میں فرمایا : فَذٰلِکَ بُرْھَانَانِ مِنْ رَّبِّکَ؛ پس تیرے ربّ کی طرف سے یہ دو براہین ہیں۔(سورۃ القصص:33)

حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن کریم کے برہان ہونے کے معنوں کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بیان فرمایا ہے کہ:''ادلہّ یقینیہ و براہین قطعیہ پر مشتمل ہے اور اپنے مطالب پر حجج بینہ اور دلائل شافیہ بیان کرتا ہے۔''(تفسیر مسیح موعودؑ، جلد1 صفحہ 384)

(6) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'بشریٰ' ہے جیسے فرمایا: وَ ھُدًی وَّ بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ؛اور مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔(البقرہ:98)

(7) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'بشیر' ہے جیسے فرمایا: بشیراً؛ خوشخبری دینے والی ہے۔(حم السجدہ:5)

(8) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'بصائر' ہے جیسے فرمایا: ھٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ؛ یہ لوگوں کے لئے عقلی دلیلیں ہیں۔(الجاثیہ:21)

''بصائر'' بصیرۃ کی جمع ہے جس کے معنی عبرت کے ہیں۔یعنی یہ قرآن گزشتہ قوموں کی ہلاکت کو ان کے لئے تازیانہ عبرت بناتا ہے۔لفظ بصیرۃ میں تحقیق اور معرفت کے معنے بھی پائے جاتے ہیں۔اس لحاظ سے قرآن ایسے روشن اور واضح دلائل پر مشتمل ہے جو معرفت بخشنے والے ہیں۔یہ نام اس لئے بھی ہے کہ اس میں توحید باری تعالیٰ، ہستی باری تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے دلائل ہیں اور ایسے واضح اور روشن دلائل ہیں جو نبوت و رسالت محمد ﷺ کی صداقت کی راہ دکھاتے ہیں۔یہ معنی بھی ہیں کہ اس قرآن میں ایسے دلائل ہیں جو دلوں کی حق کی طرف راہنمائی و رہبری کرتے ہیں اور انہیں راہ صواب دکھاتے ہیں۔

(9) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'بلاغ' ہے جیسے فرمایا: ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ؛ یہ لوگوں کے لئے ایک کھلا پیغام ہے۔(ابراہیم:53)

قرآن کریم کا نام بلاغ ان معنوں میں ہے کہ یہ لوگوں کے نام اللہ کا پیغام ہے۔یہ پیغام اپنی ذات میں بلیغ یعنی لغت کے اعتبار سے درست ہے،اس کے معنی مقصود کے مطابق ہیں اور فی الواقع حق وصداقت پر مبنی ہے۔ بلاغ نام سے یہ بھی مراد ہے کہ قرآن حکمت بالغہ ہے اور اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔ یا بلاغ نام اس لئے دیا گیا کہ قرآن میں اپنے غیر کی نسبت بہت بڑی بلاغت اور کفایت پائی جاتی ہے۔ بلاغ نام اس لئے بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن ہی کے ذریعہ لوگوں کو ان احکام الٰہی کی تبلیغ فرمائی جو ان کے لئے دیئے گئے تھے یا جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔اور جیسا کہ ہر کتاب کی کوئی غرض یا مقصد ہوتا ہے کتاب اللہ کی غرض خود اس کے نازل کرنے والے نے یہ بیان فرمائی کہ:ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِہٖ؛ یہ ذکر لوگوں کیلئے کافی ہے اس بات کیلئے کہ انہیں ہوشیار کیا جائے۔(ابراہیم:53)

(10) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'بیان' ہے جیسے فرمایا: ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ؛ یہ لوگوں کے لئے بہت وضاحت کرنے والا ہے۔(آل عمران:139)

یعنی قرآن کریم نہایت واضح کرنے والا بیان ہے جو اختلاف کو رفع کرتا ہے اور جو امر حق ہے اسے کھول کر بیان کرتا ہے۔

(11) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'بَیِّنَۃ' ہے جیسے فرمایا: فَقَدْ جَآءَ کُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ؛ پس تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس کھلی دلیل آگئی ہے۔(الانعام:158)

قرآن حجت واضحہ ہے۔قرآن چونکہ عرب اور اہل مکہ کی زبان میں نازل ہوا تھا اس لئے انہیں بتانے کے لئے اسے بَیِّنَۃ قرار دیا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی انہیں پوری پوری استعداد، صلاحیت اور استطاعت حاصل ہے۔قرآن کا نام بَیِّنَۃ اس لئے بھی ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے ثبوت کے لئے کھلی کھلی دلیلیں موجود ہیں۔

(12) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'تِبْیَانٌ' ہے جیسے فرمایا: وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ؛ اور ہم نے یہ کتاب تجھ پر ہر ایک بات کو کھول کر بیان کرنے کے لئے اتاری ہے۔(النحل:90)

تبیان میں اشارہ ہے کہ قرآن میں حقائق اور ان کے دلائل ہیں۔قرآن ان معنوں میں بھی تبیان ہے کہ اس میں ہر ایک چیز کا بیان مفصل ہے۔ یا اس سے مراد ہے کہ قرآن تمام علوم ضروریہ پر مشتمل ہے اور ہر دینی صداقت کو کھول کر بیان کرتا ہے۔

(13) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'تذکرہ' ہے جیسے فرمایا: وَ اِنَّہٗ لَتَذْکِرَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ؛ اور یہ قرآن تو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔(الحاقۃ:49)

ایسی چیز جس کے ذریعہ کسی چیز کو یاد دلایا جائے اسے تذکرہ کہا جاتا ہے۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے:''قرآن متقیوں کو وہ سارے امور یاد دلاتا ہے جو ان کی فطرت میں مخفی اور مستور تھے۔''(تفسیر مسیح موعودؑ، جلد4 صفحہ 458)

ایک دوسرے مقام پر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:''اور یہ ان کے لئے جو متقی ہیں کمالات تقویٰ کے یاد دلانے والا ہے۔''(ازالہ اوہام، روحانی خزائن، جلد3 صفحہ 454)

(14) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'ترتیل' ہے جیسے فرمایا: وَ رَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلاً؛ اور ہم نے اس (قرآن) کو نہایت عمدہ بنایا ہے۔(الفرقان:33)

رتل کے معنی ہیں کسی چیز کا حسن تناسب کے ساتھ منظّم اور مرتب ہونا اور ترتیل کے معنی سہولت اور حسن تناسب کے ساتھ کسی کلمہ کو ادا کرنے کے ہیں۔قرآن کو ترتیل اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ نہایت بہترین اور عمدہ ترتیب اور تناسب کے ساتھ اتارا گیا ہے۔اس کی ترتیب نزولی بھی بہترین تھی جو اس وقت کے لوگوں کے لئے ضروری تھی۔اور بعد کی (موجودہ) ترتیب بھی اپنے اندر ایک حسن رکھتی ہے جو بہت سی حکمتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔اس کی موجودہ ترتیب،شریعت مکمل ہونے کے بعد آنے والے لوگوں کے لئے ضروری تھی۔قرآن کریم کے ترتیل نام میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کے تازہ معارف،حقائق اور علوم ربانی جو وقت کے ساتھ وابستہ ہیں ہمیشہ اپنے وقت پر ظاہر ہوتے رہیں گے۔

(باقی آئندہ)

پیدل چلنا ......ایک آسان ورزش اور ذیابیطس و دل کے امراض کا علاج

(چوہدری ناز احمد ناصر، لندن)

دنیا بھر میں ذیابیطس کا مرض تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ذیابیطس کی زیادتی ہی دل کے امراض کا بھی باعث بنتی ہے۔ذیابیطس کے پیدا ہونے کے اسباب میں غذائی بے احتیاطی کو سرفہرست قرار دیا جاتا ہے۔لیکن سب سے اہم سبب ورزش کی کمی ہے۔ورزش میں سب سے مؤثر اور سستی ورزش ''پیدل چلنا'' ہے۔اس ورزش کے ذریعہ ان امراض کو کس طرح کنٹرول کیا جائے، کے موضوع پر آج کچھ بات کرنے کا ارادہ ہے۔

ذیابیطس کی اقسام اور کنٹرول کا طریقہ

ذیابیطس کی دو بڑی قسمیں ہیں: قسم اول (Type 1) کے نوعمر مریض، جنہیں انسولین لینی پڑتی ہے،اس ورزش سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،لیکن ایسے مریض اپنے معالج کے مشورے سے ورزش اور انسولین کی مقدار کے تعین کے بعد ہی اس سے مستفیذ ہو سکتے ہیں، کیونکہ ایسے مریضوں میں بعض اوقات یکدم شکر بہت بڑھ جاتی ہے تو کبھی بہت کم بھی ہو جاتی ہے، اس لئے ورزش، انسولین اور پرہیز میں توازن کا برقرار رکھنا معالج کے مشورے کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔

ذیابیطس قسم دوم (Type 2) کے مریض اگر کوئی دوا استعمال نہ کر رہے ہوں تو پیدل چل کر مکمل طور پر جسمانی اعتبار سے صحت مند رہتے ہوئے قلب یا اعصابی امراض سے خود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

ذیابیطس قسم دوم (Type 2) کے مریض جو انسولین کے بغیر صرف غذائی پرہیز اور ورزش سے اپنے مرض کو کنٹرول میں رکھ سکتے ہیں۔ پیدل چل کر اکثر اوقات مناسب غذا اور ورزش کے ذریعے سے خون میں شکر کی سطح کو معمول پر رکھنے میں کامیاب رہتے ہیں۔

ذیابیطس قسم دوم (Type 2) کے مریض جو انسولین کے ٹیکے لگاتے ہوں یا شکر کم کرنے والی دوا بھی کھاتے ہوں، اکثر اوقات پیدل چل کر انسولین اور دوا کی مقدار میں کمی کر سکتے ہیں۔

قدرت کے عطا کردہ معالجین

1۔ یہ دونوں بیماریاں بھی قدرت کے مقرر کردہ معالجین سے کام نہ لینے سے لاحق ہوتی ہیں۔قدرت نے ہمارے لئے معالجین بھی انسان کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی عطا فرما دیئے ہیں، یہ معالج اس کی دو ٹانگیں ہیں۔ان معالجین کو استعمال نہ کرنے سے دل کے امراض بالعموم ذیابیطس کے لاحق ہونے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ذیابیطس کے معمول پر رکھنے کے لئے اگر انسان قدرت کے ان دو معالجوں کو استعمال کرے تو ذیابیطس کو کنٹرول میں رکھ سکتا ہے۔ یہ علاج کیا ہے؟ یہ کچھ اور نہیں، بس ان دونوں ٹانگوں کا استعمال ہے، یعنی روزانہ پیدل چلنا۔

2۔ اس علاج کو اپنانے سے آپ کے خون میں بڑھی ہوئی شکر کو کنٹرول کرنا ہے۔جسم کی شکر کنٹرول ہوگی تو جسم کی رگوں میں لچک پیدا ہوگی اور خون میں چکنائی کی سطح کو نارمل رکھا جا سکے گا۔اسی طرح آپ ہائی بلڈ پریشر اور دل کی تکالیف سے بھی محفوظ رہیں گے۔

3۔ اب اگر آپ ذیابیطس کے مریض ہیں اور پیدل بھی خوب چلتے ہیں، یعنی ڈبل روٹی، سبزی ترکاری لینے کے لئے بھی گاڑی یا موٹر سائیکل پر نہیں جاتے ہیں تو آپ کے لئے پیدل چلنے کی ورزش باقاعدگی سے جاری رکھنا مشکل نہیں ہوگا۔

پیدل چلنے (ورزش) کا طریق کار

1۔ جسم میں حراروں کے مناسب خرچ اور استعمال کے لئے ضروری ہے کہ آپ ہفتے میں پانچ دن 20 سے 60 منٹ روزانہ پیدل چلیں۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ورزش کی رفتار جتنی تیز ہوتی ہے، جسم میں حراروں کے جلنے کا عمل بھی تیز رہتا ہے اور اس طرح وقت بھی کم درکار ہوتا ہے، لیکن سست رفتاری کی صورت میں حرارے جلنے کا عمل بھی قدرتاً کم رہتا ہے اور انہیں صحیح مقدار میں جلانے کے لئے وقت بھی زیادہ درکار ہوتا ہے، یعنی ہفتے میں آپ کو زیادہ دن چلنا پڑے گا۔اس حساب سے اگر آپ صرف چہل قدمی کریں گے تو حرارے کم جلیں گے، یعنی عضلات میں شکر کم استعمال ہوگی۔ بہت تیز چلیں گے تو اس سے خون میں شکر کی سطح بڑھے گی اور ورزش کی یہ کثرت قلب کی تکلیف کا باعث بھی بن جائے گی، خاص طور پر ان لوگوں میں یہ خطرہ زیادہ درپیش رہے گا کہ جن کے قلب کی تکلیف میں مبتلا ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

2۔ ذیابیطس کے مریضوں کو ورزش اس انداز میں کرنی چاہیے کہ وہ اسے بہت نہیں بلکہ نسبتاً ذرا سخت محسوس کریں اور یہ مقصد تیز قدمی کے ذریعے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے، یعنی قلب کی رفتار بڑھے مگر اتنی زیادہ نہ ہو کہ سانس پھولنے لگے اور آپ کے لئے پیدل چلنا مشکل ہو جائے۔رفتار میں 60 سے 80 فی صد اضافہ کافی ہوتا ہے۔ یہ احتیاط خاص طور پر قلب کے مریضوں کو برتنی چاہیے۔

3۔ ذیابیطس میں مبتلا افراد کو نہ بہت تیز چلنا چاہیے، نہ بہت دھیرے۔ پیدل چلنا ایک سیدھی سی ورزش ہے جو کسی خاص اہتمام یا آلات کے بغیر بھی کی جا سکتی ہے۔

4۔ ذیابیطس کے ایک امریکن ماہر ڈاکٹر گارڈن کے مطابق ذیابیطس کے مریضوں کے لئے پیدل چلنا سب سے موزوں ورزش ہے، کیونکہ ایک تو یہ آسان اور سہولت بخش ہے، دوسرے اس کی شدّت میں کمی بیشی کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔

پیدل چلنے کے لئے بعض ضروری احتیاطیں

1۔ یہ بہت ضروری ہے کہ آپ اپنے پیروں کا پورا خیال رکھیں۔ ذیابیطس کے مریضوں کو ان کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ورزش شروع کرنے سے پہلے اچھی طرح دیکھ لیں کہ پیر میں کوئی زخم یا چھلن وغیرہ تو نہیں۔ پھر یہ بھی خیال رہے آپ نرم اور آرام دہ جوتے پہنیں۔ پیروں میں آبلے اور خراش نہیں ہونی چاہیے، ورنہ فساد تشنج (یعنی Gangrene) کے پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔اس لئے آپ اپنے لئے موزوں اور جوتوں کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا کریں۔

2۔ جوتے خریدنے کا بہترین وقت شام کا ہوتا ہے، یہ دیکھ لیا کریں کہ جوتا نہ

بہت ڈھیلا ہو، نہ بہت تنگ، اسی طرح موزے (جرابیں) بھی نرم اور لچکدار ہوں۔ جرابوں کو پہن کر ہی نیا جوتا خریدیں۔ موزے صاف اور خشک ہونے چاہئیں۔

3۔ جن لوگوں کے پیروں میں پسینہ زیادہ آتا ہو انہیں اپنے موزے روزانہ دھو کر کر اچھی طرح خشک کر لینے چاہیں تا کہ پیروں میں پھپھوندی (fungus) کی شکایت پیدا نہ ہو۔ اسی طرح پیر بھی اچھی طرح صابن سے دھو کر خشک کر لینے چاہئیں۔ پیروں میں خشکی زیادہ ہو تو معالج کے مشورے سے خشکی دور کرنے والی کریم وغیرہ تجویز کرا لینی چاہیے۔ اپنے پیر روزانہ چیک کرتے رہیں اور جب بھی کوئی خلاف معمول بات نظر آئے یا محسوس کریں تو معالج سے فوری رجوع ہو جانا چاہیے۔ یہ احتیاط بہت کام آتی ہے۔ ڈاکٹر گارڈن کے مطابق امریکہ میں اس کی وجہ سے پیر کاٹنے کی شرح میں 44 تا 85 فی صد کمی ہوگئی ہے۔

4۔ پیدل چلنے سے آپ کا مرض ہی شکست نہیں کھائے گا بلکہ آپ ذیابیطس کی وجہ سے ہونے والے امراض اور پیچیدگیوں سے بھی محفوظ ہوتے جائیں گے۔

ورزش کیسے کرنی چاہیے

1۔ ورزش شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جسم کو warm up (گرم) کر لیا جائے۔ اس طرح چلنا یا کسی ورزش کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ جسم کو ورزش کی رفتار کم کر کے ٹھنڈا کر لیا جائے۔ یہ انداز خاص طور پر قلب کے مریضوں کے لئے ضروری اور مفید ثابت ہوتا ہے۔ یکا یک تیز رفتار سے ورزش شروع کرنے سے قبل کی رفتار میں بے قاعدگی پیدا ہو کر فوری موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

2۔ ورزش یعنی پیدل چلنے کے لئے پہلے پانچ منٹ دھیرے دھیرے چلنا چاہیے، پھر تیز قدم اور ورزش ختم کرنے سے پہلے بھی پانچ منٹ تک دھیمی چال اختیار کرنی چاہیے۔ اگر آپ بہت تیز نہ چل رہے ہوں تو ورزش کے اختتام پر جسم کو ٹھنڈا کرنے یا معمول پر لانے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔

3۔ ذیابیطس کے مریض چلنے سے پہلے اپنی شوگر چیک کر لیا کریں۔ جس دن چلنے کا پروگرام ہو اس دن کھانا کھانے سے قبل پیدل چلنے کی مقدار (KM/Miles) اور وقت کے حساب سے انسولین/دوا کی مقدار کم کر لیا کریں۔

4۔ لمبی سیر کرتے وقت اپنے ساتھ پانی اور پھل (سیب اور کیلا) وغیرہ رکھ لیا کریں، تا کہ ضرورت کے وقت استعمال کر سکیں۔

5۔ ڈاکٹر گارڈن کے مطابق ورزش کرنے سے پہلے اور بعد میں پانچ دس منٹ تک عضلات اور جسم کو پھیلانے کی ہلکی ورزش کر لینا بھی مناسب ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ پیدل چلنے کی ورزش شروع کرنے والوں کو ان تدابیر کے لئے زیادہ توجہ اور وقت دینا چاہیے۔ اس طرح ان کے لئے یہ ورزش بتدریج آسان ہوتی جائے گی۔ ابتدا میں صرف پانچ دس منٹ چلئے، پھر ہر ہفتے اس میں 5 منٹ بڑھاتے جائیں۔

ورزش کے فوائد

1۔ تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ صحت کے اہم فوائد حاصل کرنے اور خاص طور پر مرض قلب کا خطرہ کم رکھنے کے لئے توانائی (Energy) کا استعمال یا خرچ فی ہفتہ 700 سے 2,000 حرارے (calories) ہونا چاہیے، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ورزش پورے ہفتہ اسی انداز سے کی جائے کہ ہر ہفتے یہ حرارے برابر برابر تعداد میں جسم میں کام آئیں۔

2۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ خون کی شکر پر ورزش کے اثرات دو یا زیادہ سے زیادہ تین دن تک برقرار رہتے ہیں، اس لئے اگر آپ پیر، منگل اور بدھ کو چلتے ہیں تو ہفتے کے باقی چار دنوں میں انسولین کے اثرات یکساں نہیں رہیں گے، یعنی خون میں شکر کی سطح ورزش کے تین دنوں کی طرح کم نہیں رہے گی، یاد رہے کہ شکر کے مقابلے میں ورزش سے قلب، شریانوں اور عضلات پر بہتری کے اثرات زیادہ دن برقرار رہتے ہیں۔

3۔ پیدل چلنے سے آپ کے عضلات (پٹھے) چست ہو جاتے ہیں اور ان میں شکر خوب اچھی طرح جلنے لگتی ہے، جس کے نتیجہ میں آپ کا مرض کمزور اور آپ خود روز بروز قوی ہوتے جاتے ہیں۔ اگر آپ ذیابیطس کے مریض نہ بھی ہوں تب بھی یہ ورزش آپ کی بہترین دوست ثابت ہوگی۔ اس کی وجہ سے آپ قلب اور شریانوں کے امراض سے بھی محفوظ رہیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی اطاعت

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ بیان فرماتے ہیں:

''خلافت اولیٰ کے زمانہ میں میں نے دیکھا کہ جو ادب اور احترام اور جو اطاعت اور فرمانبرداری آپ (مراد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی کرتے تھے اس کا نمونہ کسی اَور شخص میں نہیں پایا جاتا تھا۔ آپ کے ادب کا یہ حال تھا کہ جب آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خدمت میں جاتے تو آپ دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے اور جتنا وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اسی طرح دو زانو ہی بیٹھے رہتے۔ میں نے یہ بات کسی اور صاحب میں نہیں دیکھی۔ اسی طرح آپ ہر امر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی پوری پوری فرمانبرداری کرتے۔ کسی امر کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا ارشاد ہوتا تو آپ اس کی پوری پوری تعمیل کرتے۔''

(الحکم 28 دسمبر 1939ء جوبلی نمبر صفحہ 8)

حضرت حکیم اللہ بخش صاحبؓ روایت کرتے ہیں:

''ایک دفعہ ہم نے سنا کہ صاحبزادہ صاحب (مراد حضرت صاحبزادہ صاحب) بیٹ میں شکار کو آ رہے ہیں۔ ہم بھی وہاں پہنچ گئے۔ کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے جو کھانا ساتھ لائے ہوئے تھے کھایا۔......نماز ظہر کا وقت ہوا تو مقامی امام کو نماز پڑھانے کا ارشاد فرمایا۔ اسی طرح عصر کے وقت بھی ہوا۔ وہاں لوگوں نے درخواست کی کہ ایک رات ہمارے پاس ٹھہریں مگر آپ نے جواب دیا کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح سے ایک ہی دن کی اجازت لے کر آیا ہوں۔ پھر کبھی آؤں گا تو رات ٹھہرنے کی اجازت لے کر آؤں گا۔ لہذا پھر جب آئے تو اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس بات سے ہم نے خلیفہ کی اطاعت کا سبق سیکھا۔''

(روزنامہ الفضل 5 نومبر 2007ء)

نوبل انعام یافتہ رابندر ناتھ ٹیگور کے ادب پر اسلام کا اثر

مفیض الرحمٰن (بوسنیا) ۔ شیخ فضل عمر (انگلینڈ)

حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 14 مارچ 1924ء میں مختلف ممالک کا ذکر کر کے فرمایا تھا کہ اس وقت دنیا بھر کے مسلمان رہنمائی کے لئے ہندوستان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب وہ کسی طرف دنیا کی توجہ پھیرنی چاہتا ہے تو اس کے لئے غیر معمولی اور غیر متعلق سامان پیدا کر دیتا ہے۔ اب جہاں سیاسی امور کی وجہ سے ہندوستان پر نظر پڑ رہی ہے اسی طرح ہندوستان کو لوگوں کی نظروں میں لانے کے لئے اَور سامان بھی کر دئے گئے ہیں کیونکہ دنیا میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو مذہب پر براہ راست متوجہ ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ہندوستان میں ٹیگور کو پیدا کیا کہ لٹریچر سے مذاق رکھنے والے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اس طرح ٹیگور مسیح موعود کی طرف لوگوں کو لانے کا ایک ذریعہ ہو گیا۔...... (الفضل 21 مارچ 1924 صفحہ 8-7)

یہ امر واقعہ ہے کہ جب دنیا میں امام الزمان آتا ہے تو ہزارہا انوار اس کے ساتھ آتے ہیں اور آسمان میں ایک صورتِ انبساطی پیدا ہو جاتی ہے اور انتشارِ روحانیت اور نورانیت ہو کر نیک استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں۔ چنانچہ جب مسیح موعودؑ کا ظہور ہوا تو اس آسمانی نور کی بدولت صدیوں کی ظلمتیں چھٹنے لگیں، استعدادیں جاگ اٹھیں، نئے علوم کے دروازے کھل گئے اور جدید ایجادات ہونے لگیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے دَور سے فیضیاب ہونے والا معروف شاعر و ادیب (نوبل انعام یافتہ) رابندر ناتھ ٹیگور نے جہاں بھی اپنے دلی جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے آوازِ فطرت بلند کی ہے وہاں اُس کی آواز اسلامی تعلیم میں مدغم ہو گئی ہے۔ چاہے وہ محبت الٰہی کا موضوع ہو یا مذہب کا انسانی زندگی میں کردار، انبیاء علیہم السلام کی پاک زندگی یا قوموں کے آپس کے تعلقات کے متعلق تعلیمات یا پھر علم و حکمت کی معروف باتیں۔ اُس کی شاعری آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کی مصداق تھی کہ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً یعنی شعر میں بھی دانائی کی باتیں ہیں۔

ٹیگور کا مقام

رابندر ناتھ ٹیگور (1861-1941ء) کا شمار مقبول ترین شاعروں میں ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی ہمہ جہت شخصیت ناول، ڈرامے، مصوری اور موسیقی کے میدان میں بھی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ ہندوستان میں بیسویں صدی کے ایک اہم مفکر کے طور پر معروف ہیں۔ انہوں نے ادب، کلچر، سیاست، سماجی تبدیلی، تعلیم، مذہبی عقائد پر مضامین لکھے، فلسفیانہ تجزیے کیے اور اپنے عہد کے بین الاقوامی معاملات پر بھی لکھا۔ وہ بنگلہ زبان کے ساتھ ساتھ بنگالی ذہن اور تہذیب کی نمائندگی کرنے والے سب سے اہم ادیب اور دانشور مانے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا جیسے ممالک کے قومی ترانے لکھنے کا سہرا بھی ٹیگور کے سر پر ہے۔

لوگ عموماً ہر معاملہ میں افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ٹیگور کی شخصیت بھی اس معاملہ میں مستثنیٰ نہیں ہے۔ بنگال میں ٹیگور کے خصوصاً ہندو مداحوں نے حفظ مراتب کا خیال نہ رکھتے ہوئے اس کے بارہ میں غلو سے کام لیا ہے۔ حالانکہ ٹیگور کا مقام ایک ادیب اور زیادہ سے زیادہ ایک مفکّر سے بڑھ کر اَور کچھ نہیں۔ ٹیگور خود کہتا ہے کہ: میرا مذہب ایک شاعر کا مذہب ہے۔ جو بھی میں بیان کرتا ہوں اس کی بنیاد احساسات پر ہے نہ کہ علم پر۔ مبینہ طور پر میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں نیکی و بدی، بعث بعد الموت جیسے سوالات کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکتا۔

پس ٹیگور کا اصل مقام ایک شاعر اور ادیب اور مفکر سے زیادہ کچھ نہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُس کے دل میں خدائے واحد کی محبت موجود تھی۔ تاہم بعض مسلمان اپنی نادانی اور تعصّب کی وجہ سے ٹیگور کو پڑھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو پیش نظر نہیں رکھتے کہ '' حکمت کا کلمہ تو مومن کی کھوئی ہوئی متاع ہے، جہاں سے بھی ملے وہ اسے حاصل کرے''۔

حالات زندگی

ٹیگور خاندان کے شجرۂ نسب کے مطابق 'جگناتھ کوشاری' اس خاندان کے جدّ امجد تھے جن کی شادی شُک دیب نامی ایک شخص کی بیٹی سے ہوئی۔

شُک دیب کے دو بھائیوں 'کام دیب' (کمال خان) اور 'جے دیب' (جمال خان) نے اسلام قبول کر لیا تھا جس کی وجہ سے ان کے خاندان کو معاشرہ میں اتنی ذلّت اٹھانی پڑی کہ شُک دیب' اپنا گاؤں 'بارو پاڑہ' چھوڑ کر' گوبند پور' کلکتہ میں آکر مقیم ہو گئے۔ اگر چہ شُک دیب کے مسلمان ہونے کے بارہ میں اختلاف ہے لیکن جگناتھ کوشاری کو اِس مسلمان خاندان میں اپنی بیٹی کی شادی کرنے پر اُس کے اپنے خاندان نے چھوڑ دیا۔ جس کے بعد وہ بھی سسرال کے ساتھ مقیم ہو گئے۔

کلکتہ میں جب انگریزوں کے کاروباری جہاز گوبند پور سے ملحق گنگا کے ساحل پر آتے تھے تو جگناتھ کوشاری کی نسل سے ایک شخص 'پنچانن کوشاری' وہاں مزدوروں سے سامان ڈھونے کا کام کرواتا تھا۔ ادنی ذات کے مزدور برہمن ذات کے پنچانن کوشاری کو عزّت کے ساتھ 'ٹھاکور موشائی' کہا کرتے تھے۔ بعد میں انگریز لفظ 'ٹھاکور' اپنے کاغذات میں 'ٹیگور' لکھنے لگے اور اس طرح کوشاری کی جگہ ٹیگور کا لقب رائج ہو گیا۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی پیدائش 7 مئی 1861ء کو کلکتہ میں ہوئی۔ والدہ کا نام شاردہ دیبی تھا۔ والد دیبیند را ناتھ ٹیگور اگر چہ ہندو تھے اور براموسماج کے ایک اہم رکن تھے۔ راجا رام موہن رائے سے ان کا گہرا تعلق تھا اور ان کے گھر میں کبھی گوشت نہیں پکا تھا۔ تاہم یہ خاندان کٹر ہندو معاشرہ کی رسوم سے مکمل آزاد ہو چکا تھا۔ چنانچہ ٹیگور خود کہتا ہے کہ: ہمارا خاندان میری پیدائش سے قبل ہی تنگ نظری کے دائرہ سے نکل آیا تھا۔ وہاں رسم ورواج ودیگر روایات غائب ہو چکی تھیں۔

اس خاندان کا اپنیشد کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور ٹیگور کے ادب میں بھی اپنیشد کے شلوک کا ذکر ملتا ہے جنہیں اُس کو بچپن میں روزانہ پڑھنے کی عادت تھی۔

ٹیگور براموسماج ہونے کی وجہ سے اور ذاتی غور و فکر کے نتیجہ کے طور پر بُت

پرستی کے سخت خلاف تھا۔ اس کے ادب میں بُت پرستی پر تنقید اور اس کے خلاف دلائل ملتے ہیں۔ بلا شبہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹیگور کی مذہبی زندگی کا مرکزی نقطہ توحید تھی۔

ٹیگور مذہب کے بارہ میں ذاتی تجربہ یوں بیان کرتا ہے کہ: مذہب کا لمس بھی اس اَن دیکھے بے نام ونشان راستے سے مجھ تک پہنچتا ہے جس راستہ سے نظمیں لکھنے کی تحریک میرے پاس آتی ہے۔ میری مذہبی زندگی نے بھی اپنی نمو کے وہی پُر اسرار راستے اپنائے ہیں جن خطوط پر میری شاعرانہ زندگی چلتی ہے، ایک طرح سے یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے لازم وملزوم ہیں۔

چنانچہ 22؍دسمبر 1891ء کو ٹیگور کے ادارہ ''شانتی نیکیتن'' میں ہر مذہب و ملّت کے لوگوں کے لئے ایک عبادتگاہ کا افتتاح کیا گیا۔ اس موقع پر دیجیند رناتھ نے افتتاحی کلمات میں کہا کہ اس عبادتگاہ میں صرف واحد غیر مجسّم برامہا کی عبادت کی جائے گی اور کسی بھی خاص مذہب کے دیوتا یا کسی جانور، پرندہ، انسان، بُت، تصویر یا نشان کی عبادت اس میں نہیں ہوگی۔

ٹیگور کے گھر میں بنگلہ اور انگریزی ادب کا بہت اہتمام تھا۔ وہ لکھتا ہے: گھر میں رات دن ادبی فضا قائم رہا کرتی تھی۔ جب میں بہت چھوٹا تھا اور برآمدے کی آہنی سلاخیں پکڑ کر بعض دفعہ شام کے وقت خاموش کھڑا رہتا تھا، سامنے دیوان خانے میں روشنی جلتی رہتی، لوگ آتے رہتے، دُور دروازے کے سامنے بڑی بڑی گاڑیاں آکر رکتی تھیں۔ یہ ماجرا اچھی طرح سمجھ نہیں پاتا تھا۔...... میرے چچا زاد بھائی گگیندر پنڈت رام نارائن سے ایک ڈرامہ لکھوا کر اسے گھر میں اسٹیج کر رہے تھے۔ ادب اور فنونِ لطیفہ میں ان لوگوں کے جوش وخروش کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ جدید بنگلہ عہد کی وہ لوگ گویا ہر پہلو سے ابتداء کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لباس، زبان، شاعری، گیت، فلم، ڈرامہ، مذہب، حبّ الوطنی تمام معاملات میں ان کے دلوں میں مکمل قومیت کا ایک جذبہ اجاگر ہو رہا تھا۔ میرے بزرگوار انگریزی ادب سے بہت مانوس تھے۔ اس وقت گھر کی فضا میں شیکسپیئر کے ادب سے ایک انقلاب برپا ہے، اسی طرح سر والٹر سکوٹ کا اثر بھی کچھ کم نہ تھا۔ ہماری زبان میں ایک اَور ہی لہجہ تھا جسے کلکتہ کے لوگ ٹھاکور محل کی زبان کہتے تھے۔

ٹیگور کی تعلیم کا آغاز اُس دور کے رواج کے مطابق گھر میں ہو گیا تھا۔ اسی طرح سکول کے زمانہ میں بھی گھر میں بعض اساتذہ کے ذریعہ بنگلہ، سنسکرت، انگریزی اور سائینس وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ ٹیگور لکھتا ہے کہ: ہم تین لڑکے ایک ساتھ پرورش پا رہے تھے۔ میرے دو ساتھی مجھ سے دو سال بڑے تھے۔ ان دونوں نے جب استاد سے پڑھنا شروع کیا، تب میری تعلیم کی بھی ابتداء ہوئی۔...... ایک روز دیکھا کہ میرا بھائی اور بڑا بھانجا سکول جا رہے ہیں، لیکن مجھے سکول بھجوانے کے قابل نہیں سمجھا گیا۔ زور زور سے رو کر سکول جانے کی قابلیت کا ثبوت دینے کے علاوہ میرے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔...... جو میرے (گھر کے) استاد تھے انہوں نے میری (سکول جانے کی) لالچ کو ختم کرنے کے لئے ایک طمانچہ لگا کے یہ کہا کہ اس وقت سکول جانے کے لئے جس طرح رو رہے ہو (سکول) نہ جانے کے لئے اس سے زیادہ رونا پڑے گا۔ تاہم رونے کی وجہ سے وقت سے پہلے (یعنی چھوٹی عمر میں) سکول میں داخلہ لے لیا۔ ایک سال بعد جب ہمارا سالانہ بنگلہ امتحان لیا تو مَیں اوّل آیا۔ لیکن استاد نے بتایا کہ ممتحن نے میری طرفداری کی ہے۔ چنانچہ دوبارہ میرا امتحان ہوا اور اس مرتبہ خود سپرنٹنڈنٹ ممتحن کے ساتھ بیٹھا۔ اس دفعہ بھی قسمت سے میں ہی اوّل آیا۔ لیکن دراصل مَیں سکول سے بھاگنے والا بچہ ہوں، امتحان میں بیٹھا ہی نہیں اور پاس بھی نہیں ہوا۔ میرے استاد میرے مستقبل کے بارہ میں سوچ کر مایوس ہو جاتے۔

قریباً 1879-1878ء میں ٹیگور نے جب برطانیہ کا سفر اختیار کیا تھا، اس کا مقصد بھی دراصل وہاں تعلیم حاصل کرنی تھی۔ برائٹن شہر کے ایک پبلک سکول میں ٹیگور کو داخل کیا گیا۔ یہاں ٹیگور نے انگریزی گیت بھی سیکھے۔ پھر اس کے گھر والوں نے اسے لندن بھجوا دیا اور وہاں ایک شخص سے اس نے لاطینی زبان سیکھی اور لندن یونیورسٹی میں داخلہ لے کر تین ماہ تک انگریزی ادب میں تعلیم حاصل کی۔ 1880-1879ء یونیورسٹی کالج لندن میں تعلیم حاصل کی۔

9؍دسمبر 1883ء کو ٹیگور کی شادی ٹیگور اسٹیٹ کے ایک معمولی کارکن بنی مادھب رائے چودھری کی بیٹی بھابو تارینی کے ساتھ ہوئی۔ اُس کا نام ٹیگور گھرانے میں بدل کر مرینالینی رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نام ٹیگور نے خود رکھا تھا۔ مرینالینی کی کوئی تعلیم نہیں تھی۔ شادی کے بعد اُس کی انگریزی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔

1882ء ادبی حلقہ سرسوت سماج کی بنیاد ڈالی۔ 1884ء میں مذہبی ادارہ ''قدیم براموسماج'' میں بطور سیکرٹری خدمت شروع کی۔ 1891ء میں ادبی اخبار سادھنا کا آغاز کیا۔ 1894ء میں اکیڈمی آف بنگالی لیٹرز کے نائب صدر مقرر ہوئے۔ 1901ء میں سکول شانتی نیکیتن کا قیام ہوا جو کہ 1921 میں ویشو بھارتی یونیورسٹی میں منتقل ہو گیا۔ 1905ء میں کوسٹیا میں چرخہ سکول کا قائم کیا، نیز پاتیسر میں کاشتکاری معاون بنک قائم کیا۔

1913ء میں کتاب ''گیتانجلی'' کے لئے نوبل انعام ملا۔ 1919ء ادبی اخبار ''شانتی نیکیتن پتر'' کا آغاز کیا۔ 1922ء میں کلکتہ میں جرمن ایکسپریشنیسٹ آرٹ کی نمائش کا انعقاد ہوا۔ 1930ء میں ٹیگور کی مصوری کی نمائش پیرس میں منعقد ہوئی۔ 1931ء میں ہندوستان میں پہلی بار ڈرائنگ اور پینٹنگ کی نمائش کا انعقاد ہوا۔ 7؍اگست 1941ء کو کلکتہ میں وفات پائی۔

ادبی زندگی کا آغاز

ادب کے ساتھ ٹیگور خاندان کا ایک گہرا تعلق تھا۔ ٹیگور کو ادب کی چاشنی کس طرح لگی اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ: گھر کے نوکروں کے ماحول میں جو کتابیں مقبول تھیں اُنہیں کتابوں سے میرے ادب کا آغاز ہوا تھا۔

ٹیگور کے ادبی کام کی ابتداء کی معین تاریخ ملنا بہت مشکل ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ: میری عمر اس وقت سات آٹھ سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ میرا ایک بھانجا جوتی پرکاش جو مجھ سے عمر میں تھوڑا بڑا تھا، ان دنوں وہ انگریزی ادب میں مشغول تھا اور بہت ہی جوش کے ساتھ ہیملیٹ کے اقوال بولتا تھا۔ ایک روز وہ مجھے کہنے لگا کہ تم شعر کہا کرو۔ اس واقعہ کے بعد نارمل سکول کے ہیڈ ماسٹر سات کڑی دتا کی ترغیب پر مَیں نے گویا ادبی دنیا میں قدم رکھ دیا۔ آٹھ دس لفظ کے بند لے کر گھر کے کونے میں ردیف وقافیہ بنانے کا کھیل شروع ہو گیا۔

ٹیگور بحیثیت ذمہ دار ادیب

جب سجاد ظہیر اور ان کے دوستوں نے ترقی پسند تحریک کی بنیاد ڈالی اور 1936ء میں لکھنؤ کی پہلی کُل ہند کانفرنس کے بعد ملک بھر کی مختلف زبانوں کے

ادیبوں کو متحد کرنا شروع کیا تو انہوں نے رابندر ناتھ ٹیگور سے بھی رابطہ قائم کیا۔ مارچ 1938ء میں الہٰ آباد میں ایک بڑی کانفرنس جوش ملیح آبادی، آنند نرائن ملا اور سمترا نندن پنت کی صدارت میں ہوئی جس میں فیض احمد فیض، اسرار الحق مجاز، علی سردار جعفری، حیات اللہ انصاری، ڈاکٹر عبدالعلیم، فراق گھورکھپوری اور امرت رائے وغیرہ کے ساتھ جواہر لال نہرو بھی شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کا ایک یادگار اور پُرکشش لمحہ رابندر ناتھ ٹیگور کے پیغام کا پڑھا جانا بھی تھا۔ اپنے پیغام میں ٹیگور نے ایک جگہ تنہائی کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے کہا کہ تخلیقِ ادب میں تنہائی جتنی مفید ہے اتنی ہی مُضر بھی ہے، اور یہ کہ الگ تھلگ رہنے والا ادیب بنی نوعِ انسان سے آشنا نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے اپنی مثال دیتے ہوئے کہا: ادیبوں کو انسانوں سے مِل جُل کر انہیں پہچاننا ہے۔ میری طرح گوشہ نشین رہ کر ان کا کام نہیں چل سکتا۔ زمانہ دراز تک سماج سے الگ رہ کر میں نے جو بہت بڑی غلطی کی ہے اب اسے سمجھ گیا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ یہ نصیحت کر رہا ہوں۔ میرے شعور کا تقاضا ہے کہ انسانیت اور سماج سے محبت کرنا چاہیے۔ اگر ادب انسانیت سے ہم آہنگ نہ ہو تو وہ ناکام اور نامراد رہے گا۔ یہ حقیقت میرے دل میں چراغِ حق کی طرح روشن ہے اور کوئی استدلال اسے بجھا نہیں سکتا۔

ٹیگور کا اس نتیجے پر پہنچنا ان کے ایک طویل ذہنی سفر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ انہوں نے مُلک کی آزادی کی تحریک کا چراغ اپنے دل میں روشن نہیں رکھا تھا بلکہ قومیت، بین الاقوامی، آزادیٔ فکر اور سائنسی و منطقی ذہن رکھنے کے حوالے سے ان کے خیالات بڑے واضح رہے ہیں۔ وہ اکثر و بیشتر گاندھی کے ساتھ اختلاف بھی رکھتے تھے۔ انہیں احساس ہو چلا تھا کہ عملی طور پر ان خیالات کی ترویج میں اور لوگوں کے ذہن کی تشکیل میں انہوں نے کوئی فعّال کردار نہیں نبھایا جس کی اُس دَور کو سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اس کمی کا انہیں غالباً شدید احساس تھا، اسی لئے بڑی صاف گوئی اور دیانتداری سے انہوں نے نہ صرف اس کا اعتراف کیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ ملک کے دوسرے ادیبوں کو کس طرح سے اپنے فرائض پورے کرنے چاہئیں۔ انہوں نے اپنے پیغام میں مزید کہا کہ: ہمارا ملک ایک لق ودق صحرا ہے جس میں شادابی اور زندگی کا نام ونشان نہیں ہے۔ ملک کا ذرّہ ذرّہ دکھ کی تصویر بنا ہوا ہے۔ ہمیں اس غم واندوہ کو مٹانا ہے اور ازسرِ نو زندگی کے چمن میں آبیاری کرنا ہے۔ ادیب کا فرض ہونا چاہیے کہ ملک میں نئی زندگی کی روح پھونکے، بیداری اور جوش کا گیت گائے۔ ہر انسان کو امید اور مسرت کا پیغام سنائے اور کسی کو نا امید اور ناکارہ نہ ہونے دے۔ ملک اور قوم کی بہی خواہی کو ذاتی اغراض پر ترجیح دینے کا جذبہ ہر چھوٹے بڑے میں پیدا کرنا ادیب کا فرضِ عین ہونا چاہیے۔ قوم، سماج اور ادب کی بہبودی کی قسم جب تک ہر انسان نہ کھائے گا، اس وقت تک دنیا کا مستقبل روشن نہیں ہوگا۔ اگر تم یہ کرنے کے لیے تیار ہو تو تمہیں پہلے اپنی متاع کھلے ہاتھوں لٹانی ہوگی اور پھر کہیں تم اس قابل ہوگے کہ دنیا سے کسی معاوضے کی تمنا کرو لیکن اپنے کو مٹانے میں جو وصف ہے اس سے تم محروم نہ رہ جاؤ۔ یاد رکھو کہ تخلیقِ ادب بڑے جوکھوں کا کام ہے اور حق اور جمال کی تلاش کرنا ہے تو پہلے انا کی کونپلی اتارو۔ کلی کی طرح سخت ڈنٹھل سے باہر نکلنے کی منزل طے کرو۔ پھر دیکھو کہ ہوا کتنی صاف ہے، روشنی کتنی سہانی ہے اور پانی کتنا لطیف ہے۔

....

ٹیگور کی انسان دوستی کا اظہار

ٹیگور نے شاعری کے ساتھ ساتھ کہانیاں، ناول، ڈرامے اور مضامین بھی لکھے۔ اپنے گیتوں کو موسیقی میں بھی ڈھالا اور 63 برس کی عمر میں مصوری بھی کی۔ ان سب فنونِ لطیفہ میں انہوں نے اپنی دلی اور جذباتی دنیا کو ہی نہیں بلکہ ذہنی اور فکری افق کو بھی مصور کیا۔ وہ ہندوستان کی تحریک آزادی کے ہر موڑ پر غور وفکر کرتے اور اپنا ردِعمل ظاہر کرتے رہے۔ 13 اپریل 1919 کو جب امرتسر میں جلیانوالہ باغ قتلِ عام کا واقعہ پیش آیا (جس میں سینکڑوں لوگ مار دیئے گئے) تو ٹیگور نے سی ایف اینڈریوز کو تین دن میں پانچ خط سخت اضطراب کے عالم میں لکھے اور پھر وائسرائے کے نام خط لکھ کر سخت الفاظ میں اس قتلِ عام کی مذمت کرتے ہوئے چار سال پہلے دیا گیا نائٹ کا خطاب واپس کر دیا۔

ٹیگور کا بنیادی مؤقف انسانیت کی سربلندی ہے جسے وہ اپنی مختلف تحریروں میں واضح کرتے رہے ہیں۔ آزادی بھی ان کے نزدیک صرف سیاسی آزادی نہیں ہے۔ بلکہ یہ خوف سے آزادی، سر اٹھا کر جینے کی آزادی اور علم ودانش کی آزادی ہے۔ معروف سائنسدان جگدیش چندبوس کی اہلیہ اَبالا بوس کے نام اپنے ایک خط میں انہوں نے 1908ء میں لکھا: ''میری آخری پناہ گاہ انسانیت ہے۔ ہیروں کی قیمت پر میں کانچ ہرگز نہیں خریدوں گا، اور جب تک میری جان میں جان ہے انسان پرستی پر وطن پرستی کو کبھی حاوی نہیں ہونے دوں گا''۔ اسی نظریے کو ٹیگور نے بہت ہی مؤثر ڈھنگ میں اپنے ناول ''گھرے بائرے'' میں بیان کیا ہے۔

ایک جگہ ٹیگور نے لکھا: ایک عرصہ سے زندگی کے مختلف مواقع پر مختلف حالات پہ لکھتا آرہا ہوں۔ اس کا آغاز بہت ہی کم سنی میں ہوا تھا، اُس وقت خود کو نہیں جانتا تھا۔ اسلئے کوئی شک نہیں کہ میری تحریرات میں بہت زیادہ قابل متروک شئی موجود ہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ اُن متروک رویوں کو چھوڑ کر جو کچھ باقی ہو اس میں یہ پیغام بہت واضح ہے کہ مَیں نے اس کائنات سے محبت کی ہے، مَیں نے اس صاحبِ عظمت کو سجدہ کیا ہے، مَیں نے نجات کی خواہش کی ہے۔

جذباتِ ٹیگور......ٹیگور کی زبانی

☆ مَیں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ جن سے مجھے خالص محبت کا تحفہ ملا ہے وہ میری تمام کوتاہی سے باخبر ہونے کے باوجود ان باتوں سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ تمام زندگی مَیں نے کیا چاہا ہے، کیا پایا ہے، کیا دیا ہے۔ میری نامکمل زندگی اور ناقص عبادت میں کیا اشارہ تھا۔

☆ اس دارالعمل میں سب سے بڑی عطا 'محبت' مجھے حاصل ہوئی ہے۔ یہ بات میں شکر کے ساتھ کہتا ہوں۔ مجھے یہ محبت دنیا کی بہت ساری مقبول ہستیوں کے ذریعہ بھی ملی ہے۔ ان کا مَیں صرف ممنون ہی نہیں ہوں، بلکہ انہیں میں اپنا دل نذر کرتا ہوں۔ ان کی محبت کی لمس دراصل خدائی محبت کی لمس تھی جو میرے نصیب کو چھوگئی۔

میں مختلف طریقوں سے ظاہر ہونے والی آواز ہوں، میں اس لامحدود کی آواز ہوں جس کے بے شمار پہلو ہیں، اور یہ پہلو مختلف النوع ہیں۔ میں اس غیر ختم بے نام مسرت اور آنند کی آواز ہوں، جو تمام چیزوں میں جاری وساری ہے۔ اور وہ مسرت جو مرکزِ تخلیق ہے میری دلی آواز ہے۔ اور میری زندگی کا مقصد ہے۔

☆ آج جبکہ میری عمر ستر سال ہے، عوام میں میرا ایک تعارف قائم ہوا ہے۔ اس لئے امید کرتا ہوں کہ وہ لوگ جنہوں نے مجھے جاننے کی کسی حد تک کوشش کی ہے

کم از کم یہ بات تو اُنہیں معلوم ہوئی ہوگی کہ میری پیدائش کسی خستہ حال دنیا میں نہیں ہوئی۔ میری آنکھ نے جو نظارہ کیا ہے اس سے وہ تھک نہیں گئی بلکہ تعجب کی انتہا ملی۔

ادبی تخلیقات اور نوبل انعام یافتہ کتاب ''گیتا نجلی''

ٹیگور کی ادبی تخلیقات میں: ناول =13؛ کہانی = 154؛ ڈرامے = 76؛ گیت =1882؛ نظمیں =2238 اور مضامین =78 شامل ہیں۔

1913ء میں نظموں کے مجموعے گیتا نجلی پر رابندر ناتھ ٹیگور کو ادب کا نوبل انعام ملا۔ ٹیگور نوبل انعام پانے والے پہلے غیر یورپی ادیب تھے۔ یہ گیتوں کا مجموعہ 157 نظموں پر مشتمل ہے۔ جہاں ٹیگور کی شخصیت کا ایک عجیب رنگ ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ گیتا نجلی دراصل مجموعہ ہے ایک شاعر کی شاعری اور ایک سالک کے تجربہ کا۔ گیتا نجلی کے بارہ میں ٹیگور ایک جگہ خود لکھتا ہے کہ: گیتا نجلی میں میرے جو گیت ہیں، وہ میں نے قصداً نہیں لکھے دراصل یہ میری روح کی آواز ہیں، میری روح کی عبادتیں ہیں۔ ان کے اندر میری زندگی کے وہ سارے دکھ سکھ اور وہ ساری کیفیتیں ہیں جو الفاظ کا روپ اختیار کر چکی ہیں۔

نیز انعام ملنے پر 23 نومبر 1913ء کو کہا کہ: مجھے اپنے ہم وطنوں سے جو ذلّت ورسوائی پہنچی ہے وہ کوئی معمولی نہیں ہے۔ مگر میں نے بہت ہی صبر اور تحمل کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ مجھے یہ انعام کیوں باہر کی دنیا سے ملا۔ جبکہ میں نے اپنے ربّ کے حضور اظہارِ خلوص مشرق میں بیٹھے کیا تھا، میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ خدا تعالیٰ مغرب میں اس کی قبولیت کا دروازہ کھول دے گا۔ یہ انعام دراصل اس کی برکت کی ایک جھلک ہے۔

نوبل اکیڈمی نے ٹیگور کی شاعرانہ خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا: (یہ انعام ٹیگور کی) بے حد حساس، تازہ کار اور خوبصورت شاعری کے لئے، جس میں انہوں نے اپنی شاعرانہ فکر کو مکمل ہنرمندی سے خود ہی انگریزی میں ڈھال کر مغرب کے ادب کا حصہ بنا دیا۔

نوبل انعام ملنے کے بعد پورا یورپ ٹیگور کی شاعری کے سحر میں گرفتار ہوگیا۔ مارچ تا نومبر 1913ء تک گیتا نجلی کے دس ایڈیشن چھپے۔ دراصل اس دور میں یورپ جس طرح کی مادہ پرستی کی آماجگاہ تھا اور ایک بے روح اور کھوکھلی زندگی جی رہا تھا۔ اس میں لوگوں کے لئے اِن نظموں کی سادگی، بے ریائی، بے لوث قربانی کا جذبہ، فطرت کے دامن میں جذب ہوجانے کا احساس، سکون بخش اور سحر انگیز تھا۔ ان کی شاعری کی اسی خوبی کو یورپ میں بنیادی طور پر سراہا گیا۔ ایوارڈ کی تقریب میں سویڈش اکیڈمی کی نوبیل کمیٹی کے چیئرمین ہرالڈ ہیارنے (Harald Hjrne) نے ٹیگور کی شاعری، ادبی نگارشات اور فکر پر اپنی تقریر میں گیتا نجلی کی درج ذیل نظم کی مثال دے کر بتایا کہ ٹیگور نے ہمیں اپنی نظموں میں اس بات پر غور کرنا سکھایا ہے کہ فانی اشیاء کس طرح سے لافانی میں مدغم ہوجاتی ہیں:

''وقت لامنتہا ہے، اے میرے مالک! کوئی نہیں جو تیرے لمحوں کا شمار رکھے
روز وشب گزرتے رہتے ہیں، زمانے پھولوں کی مانند کھلتے، زرد پڑتے رہتے ہیں۔
انتظار کا فن مگر تو ہی جانتا ہے۔
تیری صدیاں ایک کے بعد ایک کچھ یوں گزرتی ہیں گویا
کسی ننھے سے صحرائی پھول کی تکمیل میں مشغول ہوں۔
ہمارے پاس اتنا وقت کہاں کہ ہم اسے ضائع کریں،
اور جب وقت نہیں، تو ہمیں چاہیے کہ اپنے حصے کے مواقع جھپٹ لیں۔
کہ ہم تو اتنے نادار ہیں کہ مزید انتظار کے متحمل نہیں ہو سکتے۔
اور میرا وقت یوں گزرتا ہے کہ میں اسے ہر ایسے شخص کو دیتا جاتا ہوں جو مجھ سے جھگڑ کر اس کا دعویدار ہو بیٹھتا ہے۔
اور تیری قربان گاہ آخر تک عقیدت کے تمام نذرانوں سے خالی ہی رہتی ہے۔
اور جب دن قریب الاختتام ہوتا ہے تو میں تعجیل کرتا ہوں،
کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا در بند ہوجائے۔
لیکن پھر دیکھتا ہوں کہ ابھی تو وقت باقی ہے۔''

گیتا نجلی پر مبسوط مقدمہ تحریر کرنے والے انگریزی کے معروف شاعر ایذرا پاؤنڈ نے ٹیگور کی شاعری سے متاثر ہو کر لکھا تھا کہ: ''اس شاعری میں ایک طرح کا سکون، قدرتی سکون ہے۔ یہ نظمیں ہمیں کسی طوفانی یا اشتعالی کیفیت کی پیداوار نہیں معلوم ہوتیں بلکہ یہ شاعر کی ذہنی عادت کے عین مطابق لگتی ہیں''۔

بقول ییٹس شاعری اور مذہب علیحدہ نہیں: یہ وہ شاعری ہے جو نسل در نسل مسافر شاہراہوں پر گنگناتے رہیں گے، مانجھی ندی کے پانیوں میں گاتے رہیں گے، ایک دوسرے کے منتظر عاشق ومعشوق کے نزدیک عشق الٰہی سے معمور یہ گیت گنگنانا ویسا ہی ہوگا جیسے کسی جھیل میں نہا کر وہ اپنے تلخ تر جذبے کو دھو رہے ہوں اور اپنی جوانی پھر سے پُر شباب بنا رہے ہوں۔

ٹیگور نے زندگی کے دقیق فلسفوں، نیز مادہ پرستی کے مقابلے بے لوث جذبوں اور سادہ زندگی کے راز جس انداز میں بیان کیے ہیں وہ بھی ان کی مقبولیت کا باعث بنے۔ مثلاً ایک نظم میں زندگی کا فلسفہ ایک بچے کے رُوپ میں یوں پیش کرتے ہیں:

''غوطہ خور نے موتی لانے کے لئے سمندر میں غوطہ لگایا
سوداگر نے سونا چاندی لانے کے لیے اپنا جہاز سمندر میں ٹھیل دیا
چھوٹے بچے نے سمندر کے کنارے کنکر پتھر ڈھونڈے اور کھیلنا شروع کیا
مجھے نہیں معلوم غوطہ خور کو موتی ملے گا یا نہیں
مجھے نہیں معلوم سوداگر کا جہاز سونا چاندی لے کر لوٹے گا یا نہیں
لیکن بچہ شام تک پتھروں سے کھیلے گا
پھر انہیں وہیں چھوڑ کر، گھر لوٹ آئے گا۔''

اردو ترجمہ گیتا نجلی از سید ظہیر عباس کے مقدمہ میں لکھا ہے: ''گیتا نجلی ٹیگور کی شخصیت، فن اور عہد کا ایک ایسا فنکارانہ مظہر ہے جو دُور تک اور دیر تک انسانی فکر وذہن کو مسرت کے ساتھ بصیرت عطا کرتا رہے گا''۔ ''گیتا نجلی میں فکری وفلسفیانہ بصیرت، اخلاقی وتہذیبی قدروں نیز وجدان وجذبات کی کیفیت سبھی کچھ ہے''۔ ''گیتا نجلی ادب کا ایک عظیم شاہکار ہے''۔

نیز اردو ترجمہ از انور جلال پوری کے مقدمہ میں لکھا ہے: ٹیگور نے علم وادب کا ایک بہت بڑا سرمایہ چھوڑا ہے۔ مگر گیتا نجلی سے ان کی آن بان، شان اور پہچان قائم ہے۔ یہ مختصر سی گیتوں کی کتاب دراصل ان کے الہامی اور روحانی احساسات کا شاعرانہ اظہار ہے۔ اس کو پڑھئے تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی صوفی اپنے وجد کی آخری منزل میں پہنچ کر کچھ ایسے الفاظ منہ سے نکال رہا ہے جنہیں صرف محسوس کیا جا سکتا ہے مگر سمجھا یا نہیں جا سکتا۔ مکمل گیتا نجلی مادیت سے پریشان لوگوں کے لئے ایک روحانی غذا ہے۔ اس کتاب میں رشیوں، منیوں کے قدیم ہندوستان کی مقدّس اور

خوشگوار فضا تو ملے گی مگر کسی دھرم کی برتری کی وکالت کا شائبہ بھی نہیں ملے گی۔ یہ کتاب روحانیت اور انسانیت کے امتزاج کا نغمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیگور کی عظمت کو ہندوستان کے لوگوں سے پہلے یورپ والوں نے پہچانا۔ چونکہ وہ اپنی مادّی زندگی سے تھک چکے تھے۔ اندر اندر سے بے انتہا ٹوٹ اور بکھر چکے تھے۔ ٹیگور دراصل انسانیت کی اعلیٰ اقدار کے نغمہ نگار تھے۔ جہاں جہاں انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا فقدان تھا ٹیگور کی شاعرانہ شخصیت وہاں کیلئے ضرورت بن گئی تھی۔ وہ ہندوستانی ادب میں عظمت کا ایک نشان تھے بھی اور ہیں بھی۔

ٹیگور کے زیادہ تر نقاد یہ مانتے ہیں کہ یورپ میں ٹیگور کی مقبولیت عموماً ان کی شاعری کی مذہبی پُر اسرار فضا اور روحانی سکون کے احساسات پر قائم تھی۔ روحانیت سے مملو اور مادہ پرستی سے لاتعلق اس شاعری کی ہر جانب تحسین اور شہرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیگور کی شاعری کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہونے لگے۔

مختلف زبانوں میں تراجم

ٹیگور کی گیتا نجلی ادب کا ایک عظیم شاہکار ہے، اس کے تراجم دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ سب سے پہلا ترجمہ ٹیگور نے خود بنگلہ زبان سے انگریزی میں کیا تھا۔ لیکن دراصل ٹیگور نے انگریزی ترجمہ میں ان گیتوں کی از سرِ نو تخلیق کی ہے۔ اس ترجمہ میں وہی سرمستی، نغمگی، حُسن اور رومانویت ہے جو بنگلہ زبان میں ہے۔ پھر انگریزی سے اس کے دیگر زبانوں میں تراجم ہوئے۔ آندرے ژید نے فرانسیسی میں، ایوان بونن نے روسی میں، اور بعد میں بورس پاسترناک اور انا اخماتووا نے بھی روسی زبان میں ان کی مختلف کتابوں اور نظموں کے ترجمے کیے۔ مزید برآں اسپینی، جرمن، اطالوی، جاپانی اور چینی جیسی بہت سے زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے۔ اردو میں پہلا ترجمہ نیاز فتح پوری نے 1914ء میں کیا۔ بعد میں فراق گورکھپوری نے بھی بڑا خوبصورت ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ جوش ملیح آبادی، عبدالعزیز خالد، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے بھی منظوم ترجمہ شروع کیا تھا لیکن وہ نامکمل رہا۔ نیز سید ظہیر عباس اور انور جلال پوری کے منظوم تراجم بھی دستیاب ہیں۔

گیتا نجلی میں اسلامی تعلیم کی جھلک

گیتا نجلی کے بارہ میں ٹیگور نے خود بھی کہا ہے کہ یہ کوئی قصداً کہی گئی شاعری نہیں بلکہ یہ اُس کی روح کی آواز ہے جو محبت، عجز و نیاز، وصال یار کی تمنّا، خدا کی حمد و ثناء اور اس سے مغفرت کی طلب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں خصوصاً شعر و شاعری کی قیدو بند سے نکل کر ٹیگور کی محبت الٰہی کی پیاس قابل رشک ہے۔

جب انسان اسی دنیا میں اس ابدی حسن کا مشاہدہ کرنے کی سعادت حاصل کر لیتا ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ:

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

جبکہ ٹیگور کی روح اس مقام کو حاصل کرنے کی التجاء اس طرح کرتی ہے:

عبد ناچیز کو یا ربّ! وہ بصیرت ہو عطا
کہ ہر اک شئے میں ترا جلوۂ زیبا دیکھوں
مرکزِ شوق فقط تُو ہو ہر ایک سمت مرا
مَیں ترا نُور بہ اخلاص و تمنّا دیکھوں

گیتا نجلی میں وحدت الوجودی فکر بھی ملتی ہے جس کی بنیاد لا الہ الاالله پر ہے۔ جس کو صوفیاء نے اپنی زبان میں لا مطلوب الاالله، لا مقصود الاالله اور لا موجود الاالله کہا ہے۔ ٹیگور کہتا ہے کہ:

اے خداوند جہاں! فاطر الافلاک عظیم
آشیاں میں بھی ہے تُو عرصہ افلاک میں بھی
تُو کہ ہے حسن سراپا تیری الفت ہی فقط
کار فرما ہے ازل سے خس و خاشاک میں بھی
رنگ سے صورت سے خوشبو سے یہاں ظاہر ہے
تُو ہی اوّل میری دنیا کا تُو ہی آخر ہے

ٹیگور کا اسلام سے ذاتی تعلق

ٹیگور کی تحریرات میں سے اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں انتخاب پیش ہے:

☆ اسلام ایک خاص مذہب ہے مگر ہندو کوئی خاص مذہب نہیں۔

☆ مسلم دنیا کے رسم و رواج اور قوانین کیا ہیں اس بارہ میں مجھے علم نہیں ہے۔

☆ چین کے مسلمان بھی مسلمان ہیں، ایران کے بھی اور افریقہ کے بھی۔ مسلمان آپس میں اپنے مذہبی اور دیگر رسومات میں متحد ہیں۔ بنگالی مسلمان، جنوبی ہند کے مسلمان یہاں تک ہندوستان کے باہر مقیم مسلمان بھی آپس میں متحد ہیں۔ وہ ہر خطرہ کے وقت متحد ہو کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

☆ اسلام ایک عظیم مذہب ہے، تمام دنیا کو اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب رہا ہے، اور اسی وجہ سے اس کے دشمن بھی بہت زیادہ ہیں۔ لیکن اپنی سادگی کی وجہ سے اس کا جھنڈا ہمیشہ بلند لہراتا رہے گا۔ اسلام وہ مذہب ہے جس نے گزشتہ مذاہب کی قدر و قیمت کا اقرار کیا ہے۔ اسلام نے اپنے پہلے آنے والے مذاہب میں سے کسی ایک بھی مذہب کے وجود کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اپنی وسیع کتاب میں ان مذاہب کا ذکر کرتا ہے، جیسا کہ بنی نوع انسان کے مستقبل کے بارہ میں ذکر کیا ہے۔ محمد (ﷺ) دنیادار شخص نہیں تھے اور نہ ہی ذاتی مفاد اُن کے پیش نظر تھا۔ بلکہ وہ ایمان اور اخلاص سے پُر تھے۔ جب تک قرآن موجود ہے جس کو خدائی حفاظت حاصل ہے، تب تک اسلام مضبوط تھا، ہے اور رہے گا۔ کیا ہی بہتر ہو اگر تمام دنیا اسلام سے متعارف ہو جائے اور اس کے رسول کو بھی جان لے جو کہ مخلص، متوکّل اور آسمان سے ہدایت یافتہ تھے۔

☆ ہمیں اس حقیقت کو غور سے دیکھنا چاہئے کہ برصغیر میں کثیر تعداد میں نیک مخلص مسلمانوں کی موجودگی صرف عوام کا ایک ریوڑ نہیں ہے جو کہ ایران اور عرب جزیروں سے آنے والے حملہ آوروں کے ذریعہ مسلمان ہوئے۔ دراصل انہیں جس چیز نے اسلام کی طرف کھینچا وہ حقیقت میں اسلام کی سادہ فلاسفی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے لوگوں نے اس عظیم مذہب کو دل سے قبول کیا۔

☆ مسلمان آپس میں ایک لمحہ میں مل جاتے ہیں۔ مگر ہندوؤں میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی لئے مختلف فرقوں میں منقسم ہندوؤں کا آپسی اتحاد متزلزل ہے۔ ایسا نہیں کہ مسلمان جہاں بھی جاتا ہے وہاں صرف طاقت، عقلی دلائل یا اخلاق کے ذریعہ لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرواتا ہے بلکہ وہ منظّم طریقے سے نئے رشتوں کا قیام کر کے اپنے مذہب کو آگے پھیلاتا ہے۔ اپنی قوم میں یہاں تک کہ غیر قوم میں بھی شادی کرنے میں اسے ممانعت نہیں ہے۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں اس کھلی

اجازت کے ذریعہ وہ اپنے معاشرتی حقوق ہر جگہ وسیع سے وسیع تر کر سکتا ہے۔ صرف خون بہا کر نہیں بلکہ خون کا رشتہ جوڑ کر بہت دور دور تک داخل ہوا ہے۔

☆ کچھ سال قبل لندن کے اخبار ٹائمز اور امریکہ کے نیشن اخبار سے معلوم ہوا تھا کہ برطانیہ کی فوج ہوائی جہاز کے ذریعہ افغانستان کے ایک گاؤں مہسود پر حملہ آور تھی۔ اسی اثناء میں ایک جہاز خراب ہو کر اسی گاؤں میں گر پڑا۔ ایک افغان بچی ان فوجیوں کو قریب ہی ایک غار میں لے گئی اور وہاں کے بعض لوگوں نے ان فوجیوں کی حفاظت کی اور کچھ عورتوں نے کھانے وغیرہ کی ذمہ داری ادا کی۔ اس وقت بھی آسمان سے بمباری ہو رہی تھی۔ بہر حال کچھ عرصہ بعد فوجیوں کو محفوظ مقام تک پہنچا دیا گیا۔ اس واقعہ میں انسانی فطرت کی تصویر کے دو متضاد رنگ سامنے آئے۔ ایک طرف تو ہوائی جہاز سے بمباری کی صورت میں انسانی قوّت کا مظاہرہ اور دوسری طرف اپنے پر حملہ آور دشمن کو معاف کر کے اس کی حفاظت کرنا۔

☆ مَیں یہ یقین رکھتا ہوں کہ الازہر کا دروازہ پوری دنیا کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ اسلام کے قیام اور دنیا بھر میں تبلیغ کے لئے ایک عظیم کردار ادا کر سکتا ہے۔ بے شک الازہر کو دنیا میں ایک سائنسی قدر کا مقام حاصل ہے جس کا اجراء ہر جگہ ہونا چاہئے۔ کاش ایسا ہوتا کہ ہندوستان میں بھی مصر کی طرح ایک الازہر ہوتا۔

☆ ایشیا میں ایک دَور تھا جسے سچائی کا دَور کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت یہاں سے تہذیب کا چشمہ مختلف سمتوں و ممالک کی طرف جاری ہوا تھا۔ قدیم ایشیا میں جس نُور کا منبع تھا، جس تہذیب کی دیوالی منائی گئی تھی، اس کی روشنی سے چین، بھارت، عرب، ایران نے اپنے مذہب عمل اخلاق اور علم کے دیپ جلائے تھے۔ ان دیپوں کی لَو سے مغربی دنیا میں تہذیب کی ابتداء ہوئی تھی خصوصاً مذہبی معاملات میں۔

....

ٹیگور نے 1930ء میں آکسفورڈ میں ایک لیکچر کے دوران کہا تھا کہ وہ ایک کٹر ہندو خاندان سے نہیں ہے، اسی طرح اس کی عقلی نشو نما میں ہندو مسلمان اور برطانوی کلچر کا ملا جلا اثر ہے۔

جیسا کہ قبل ازیں بتایا گیا تھا کہ کس طرح 12ویں یا 13ویں صدی میں اس کے آباء و اجداد میں دو اشخاص نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس وجہ سے اس خاندان کے باقی ہندو افراد کو معاشرہ کی مخالفت برداشت کرنی پڑی تھی۔ یہاں تک کہ شادی بیاہ کے معاملہ میں بھی پابندی لگ چکی تھی۔ اور یہ مخالفت اس قدر گہری ہو چکی تھی کہ ٹیگور کے زمانہ میں بھی اس کا اثر موجود تھا۔ جیسا کہ ٹیگور کے رشتہ کے لئے ان کی برادری میں کوئی مناسب رشتہ نہیں تھا اور مجبوراً اسی کے ہاں کام کرنے والے ایک معمولی کارکن کی غیر تعلیم یافتہ بچی سے ٹیگور کا رشتہ ہوا تھا۔

ٹیگور کو اسلام اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کی علمی صحبت زیادہ نصیب نہیں ہوئی تھی۔ ٹیگور کا مسلمان دانشوروں سے تعلق بہت ہی محدود تھا۔ اگرچہ وہ کبیر کی نظموں سے بخوبی واقف تھے، بلکہ اس کی کئی نظموں کے تراجم بھی کئے جو کہ 1915ء میں شائع ہوئیں۔ اسی طرح ٹیگور فارسی شاعر حافظ اور سعدی کے کلام سے متعارف تھے۔ خصوصاً حافظ جو کہ اس کے والد کے پسندیدہ تھے۔ اس کے والد دیبندر ناتھ فارسی جانتے تھے اور ٹیگور بچپن میں اپنے والد سے حافظ کا کلام سنتے تھے اور ٹیگور کو بھی حافظ سے تمام عمر بڑی عقیدت رہی ہے۔

اسی طرح ٹیگور اپنے زمانہ کے ایک مسلم نوجوان شاعر نذر الاسلام سے بھی بہت محبت کا تعلق رکھتے تھے، اور اس تعلق کی وجہ سے ٹیگور نے نذر الاسلام کو اپنا ایک ادبی کام ''بوسونتو'' یعنی بہار نذر کیا تھا۔

اسی طرح نذر الاسلام نے بھی اس محبت کے اظہار کو قبول کرتے ہوئے، اپنی کچھ نظمیں اور ٹیگور کی وفات پر ایک نظم ٹیگور کی نذر کی تھی۔

اسلام اور مسلمانوں سے دلی تعلق ہی وہ وجہ تھی کہ ٹیگور نے شانتی نیکیتن میں مسلم طلباء کے داخلہ کا آغاز کیا۔ 1921ء میں یہ ادارہ یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا اور اس کا نام ویشو بھارتی رکھا گیا۔ ٹیگور نے 1927ء میں ویشو بھارتی میں حیدر آباد کے نظام کی ایک لاکھ روپے امداد کے ساتھ اسلامی تعلیم کی ایک شاخ کی بنیاد ڈال دی۔ اسی طرح 1932ء میں ایرانی حکومت کی مدد سے فارسی تعلیم کی شاخ کا اجراء کیا۔ 1935ء میں مولوی عبد الکریم کی کتاب کے پیش لفظ میں ٹیگور نے خود اس ادارہ میں اسلامی تعلیم کی شاخ کے قیام کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ...... ہندو مسلمان میں اختلاف کی ایک بہت اہم وجہ ایک دوسرے کے بارہ میں کم علمی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے شانہ بشانہ رہتے ہیں مگر پھر بھی ہماری دنیا ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ ماضی میں اس قسم کی لاپرواہی نے بہت نقصان پہنچایا ہے اور ایک دردناک مستقبل کی پیشگوئی کر رہی ہے۔ صرف اور صرف ہمدردانہ طریق پر ایک دوسرے کے کلچر اور رسم و رواج کو سمجھنا ہوگا، اور یہ عہد کرنا ہوگا کہ ہم ایک پر امن اور نیک فضا قائم کر سکتے ہیں۔ اس نظریہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت نظام کی مشفقانہ امداد سے میں نے کچھ سال قبل ویشو بھارتی میں اسلامی کلچر کی ایک شاخ کا اجراء کیا تھا۔ اور مجھے اس بات کے اظہار میں خوشی ہے کہ یہ تجربہ کامیاب رہا۔

پروفیسر ضیاء الدین نے لکھا ہے کہ 1901ء میں شانتی نیکیتن کی لائبریری اسلامی لٹریچر سے بھری ہوئی تھی۔ اسی طرح اُنہیں ٹیگور نے بتایا تھا کہ ٹیگور کے والد نے بستر مرگ پر قرآنی آیات پڑھی تھیں۔

1889ء میں ٹیگور کے سپرد خاندانی جائداد کی نگرانی کی جاتی ہے۔ اس کام کے دوران اسے آئندہ دس سال تک غریب رعایا کو قریب سے ملنے کا موقع میسر آ گیا۔ جن کی بھاری اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ اس عرصہ میں اسے مسلمان اور اسلام کے بارہ میں کچھ معلومات حاصل ہوگئیں۔ ٹیگور اپنی ایک بنگالی خاتون دوست کو 1931ء کے ایک خط میں لکھتا ہے کہ .... مَیں ان لوگوں سے (یہاں مسلمان رعایا مراد ہیں) دل سے پیار کرتا ہوں، کیونکہ وہ اس کے حقدار ہیں۔

ٹیگور نے اپنی مسلمان رعایا کی زندگی کے معیار کو بلند کرنے کے لئے انہیں مختلف قسم کی سہولیات مہیا کیں۔ مثلاً بنک کا انتظام، قضاء کا نظام وغیرہ۔

ٹیگور نے معاشرتی رواج کے برعکس خوشی کے مواقع پر ہونے والی دعوتوں میں خصوصی نشستیں ختم کر کے سب کو اکٹھے بٹھانے کی رسم جاری کی۔

ٹیگور نے ہنگری کے مشہور مستشرق ڈاکٹر گِر مانیوس کو اسلام کے بارہ میں اپنی تحقیق پیش کرنے کے لئے ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیز میں لیکچرز کی دعوت دی تھی۔ گِر مانیوس کو اسلام سے محبت تھی۔ ٹیگور کی دعوت پر وہ 1922ء سے 1932ء کے عرصہ میں وہ چار سال ہندوستان میں لیکچر کی غرض سے مقیم رہے۔ اس قیام کے دوران گِر مانیوس نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اپنا نام عبد الکریم گِر مانیوس رکھ لیا۔ وہ اکثر دوستانہ ماحول میں ٹیگور کے ساتھ اسلام کے بارہ میں باتیں کرتے۔ ٹیگور نے خود اسلام کا مطالعہ کیا تھا اور اسلام سے متعارف ہوا تھا اور اسلام و بانی اسلام سے متأثر تھا۔

....

(باقی آئندہ)

بانئ پاکستان اورجماعت احمدیہ

(جمیل احمد بٹ)

بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح ایک سچے، دیانتدار، محنتی، قانون پسند اور مخلص انسان تھے۔ انہوں نے مسلمانان ہند کی کامیاب قیادت کی اور آئینی طریق پر ان کے لئے ایک آزاد اور اس وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے ملک کا قیام ممکن بنایا۔ اس جدوجہد میں مسلمان عوام ان کے ساتھ تھے۔ گو ہندوستان کی بیشتر مسلم تنظیمیں اور گروپ ازقسم علمائے دیوبند، جمعیت علمائے ہند، جماعت اسلامی، مجلس احرار، خاکسار تحریک ان کے بھرپور مخالف رہے۔ صرف جماعت احمدیہ وہ واحد جماعت تھی جو اس تحریک میں شامل اور دامے، درمے، سخنے تحریک پاکستان کی مدد گار رہی اسی لئے قائداعظم اور احمدیوں کے مابین ہمیشہ خوشگوار تعلقات رہے۔ امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ بھی قائداعظم کے معترف رہے، آپ اور قائداعظم کی باہم کئی ملاقاتیں ہوئیں، خط وکتابت رہی، اہم معاملات میں حضرت صاحب نے قائداعظم کو صائب مشورے دئے اور گراں قدر عملی مدد کی۔ دوسری طرف قائداعظم نے بھی احمدیوں سے روابط رکھے، ان کی حمایت کی، احمدیوں کی مدد کو الم نشرح کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح کو دعا کے لئے درخواست کی اور حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ کی برملا تعریف کی اور انہیں اعلیٰ مراتب پر فائز کیا۔

ان حقائق پر مشتمل چند واقعات درج ذیل ہیں۔

1۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قائداعظم کے بارے میں تعریفی ارشاد

i- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 11 ستمبر 1927ء کو شملہ میں الفنسٹن ہال میں نواب سر ذوالفقار علی خاں کی صدارت میں ایک لیکچر دیا جس میں منجملہ یہ بھی فرمایا:

''جناح صاحب اس وقت سے مسلمانوں کی خدمت کرتے آئے ہیں کہ محمد علی (جوہر) صاحب ابھی میدان میں نہ آئے تھے......میں ان کی خدمات کے باعث ان کو قابل عزت اور قابل ادب سمجھتا ہوں۔''

(لیکچر شملہ بحوالہ انوار العلوم جلد 10 صفحہ 18)

ii- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے ایک مضمون رقم فرمودہ 8 دسمبر 1927ء میں فرمایا:

''مسٹر جناح اور مولانا محمد علی سے پچھلے دنوں شملہ میں مجھے شناسائی ہو چکی ہے اور یونیٹی کانفرنس اور قانون حفاظت مذاہب کے متعلق گھنٹوں ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع ملا ہے میں مسٹر جناح کو ایک بہت زیرک، قابل اور مخلص خادمِ قوم سمجھتا ہوں اور ان سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی میرے نزدیک وہ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنے ذاتی عروج کا اس قدر خیال نہیں جس قدر کہ قومی ترقی کا ہے۔''

(ٹریکٹ مسلمانانِ ہند کے امتحان کا وقت۔ بحوالہ انوار العلوم جلد 10 صفحہ 45)

2۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی قائداعظم سے ملاقاتیں

جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب بعض اہم معاملات پر ہندوستان کے مشہور سیاسی زعماء سے تبادلہ خیالات کے لئے اگست وستمبر 1927ء میں شملہ میں مقیم رہے۔ اسی دوران آپ کے قائداعظم سے جو اس وقت اپنے نام سے پہچانے جاتے تھے درج ذیل ذاتی رابطے اور ملاقاتیں ہوئیں۔

i- ناموس پیشوایان مذاہب کے تحفظ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح نے جو مسودہ قانون تجویز کیا تھا اس پر گفتگو کے لئے جو مشہور لیڈر گاہے بگاہے آپ کی فرودگاہ پر تشریف لائے اور گھنٹوں بیٹھ کر تبادلہ خیالات کیا ان میں محمد علی جناح بھی تھے۔

(تاریخ احمدیت جلد 4 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 612)

ii- اس دوران شملہ میں ہندو مسلم اتحاد کانفرنس ہوئی جس کے شریک لیڈروں میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور جناب محمد علی جناح بھی شامل تھے اور ہر دو کانفرنس کے تینوں اجلاسوں میں شریک ہوئے۔ پہلے دو اجلاسوں میں حضرت صاحب نے خطاب فرمایا جبکہ تیسرا اجلاس قائداعظم کی صدارت میں ہوا۔

iii- شملہ کانفرنس کا آخری اجلاس قائداعظم کی صدارت میں ہوا اور اس میں حضرت خلیفۃ المسیح نے جداگانہ انتخاب کے حق میں تقریر فرمائی۔

iv- حضرت خلیفۃ المسیح اور قائداعظم کی پہلی One to One ملاقات شملہ میں ہوئی، اس کی چشم دید روایت ایک بزرگ کی زبانی یوں ہے۔

''یہ موسم گرما 1927ء کا واقعہ ہے ستمبر کا مہینہ تھا تمام صوبوں کے لیڈر شملہ میں اکٹھے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح کی رائے جداگانہ انتخاب کے حق میں تھی.... قائداعظم اس وقت مشترکہ انتخاب کے حق میں تھے۔...... آپ (حضرت خلیفۃ المسیح) نے ان دنوں انتہائی کوشش کی کہ مسلمان مشترکہ انتخاب کے سراب نما خوشکن نظریہ فریب میں نہ آجائیں چنانچہ آپ نے مختلف صوبوں کے لیڈروں کو ایک ایک کر کے اپنے ہاں مدعو کیا ہر ایک کے ساتھ فرداً فرداً تبادلہ خیال کر کے ان پر اپنا نقطہ نگاہ واضح کیا۔......مرحوم قائداعظم اس وقت کانگریس کے ممبر اور مسٹر محمد علی جناح کہلاتے تھے آپ کو بھی کنگز لے (شملہ میں آپ کی رہائشگاہ) میں دعوت چائے دی گئی تھی میں اس وقت اس دعوت میں موجود تھا۔ آپ نے تبادلہ خیال کے آخر میں فرمایا۔ مرزا صاحب! میں نہیں مان سکتا کہ نصب العین ہمارا یہ ہو کہ ہندوستانی قوم بلند مقام تک جا پہنچے اور اس کا ذریعہ جداگانہ انتخاب ہو؟''

(ہماری ہجرت اور قیام پاکستان از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب صفحہ 16-15۔ دار التجلید لاہور)

گو بالآخر قائداعظم نے اپنی رائے بدل لی اور جداگانہ انتخاب کے حامی ہوگئے۔

v- 1946ء میں ہندوستان میں عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت میں درپیش مسائل ایک وقت میں اتنے گھمبیر ہوگئے کہ تحریک کی کامیابی بالکل مخدوش ہوگئی۔ اس مشکل وقت میں حضرت خلیفۃ المسیح ستمبر، اکتوبر 1946ء میں تین ہفتہ

تک دہلی میں تشریف فرما رہے۔ اس دوران آپ نے 24 ستمبر کو قائداعظم سے انتہائی مخلصانہ اور دوستانہ ماحول میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ملاقات کی جس کی خبر اور رینٹ پریس کی طرف سے اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔

(تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 405)

3۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی قائدِ اعظم سے خط وکتابت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے کئی اہم مواقع پر قائداعظم سے مراسلت کر کے مسائل کے حل میں خصوصی کردار ادا کیا۔

i۔ آپ نے قائداعظم کے نام اپنے 6 اکتوبر 1946ء کے ایک خط میں تحریر فرمایا:

I did not perhaps inform you that the very day I met you , I sent a note to H.E. the Viceroy telling him that the Muslim League demands have the full support and sympathy of my community.

ترجمہ: میں شاید اس سے قبل آپ کو مطلع نہیں کر سکا کہ اسی روز جس دن میں نے آپ سے ملاقات کی تھی میں نے ہز ایکسی لینسی وائسرائے کو ایک خط بھجوایا تھا جس میں میں نے انہیں یہ لکھا تھا کہ مسلم لیگ کے تمام مطالبات کو میری جماعت کا پورا تعاون اور حمایت حاصل ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 462-463)

ii۔ جب عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت کا معاملہ حل ہو گیا تو حضرت صاحب نے 27 اکتوبر 1946ء کو قادیان سے قائداعظم کو مبارکباد کا خط بھیجا جس میں تحریر فرمایا:

The new allotment of portfolios has been announced, though their distribution is not equitable but I must congratulate you on your successfull efforts...May Allah help you in your great task and lead you to the right path. Amen

ترجمہ: قلم دانِ وزارت کی نئی تشکیل کا اعلان ہو چکا ہے۔ اگرچہ ان کی تقسیم منصفانہ اور معقول نہیں ہے تاہم میں آپ کو آپ کی کامیاب مساعی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی عظیم مساعی میں برکت ڈالے اور صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 463-464)

iii۔ فروری 1947ء تک صوبہ پنجاب کی پاکستان میں شمولیت مخدوش تھی کیونکہ وہاں یونینیسٹ حکومت قائم تھی جس سے مسلم لیگی اکابر کے مذاکرات ناکام ہو چکے تھے۔ اس نازک وقت میں حضرت خلیفۃ المسیح کی راہنمائی میں چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی کوشش سے ملک خضر حیات نے دو مارچ کو استعفیٰ دیا اور مسلم لیگ کا راستہ صاف ہوا۔ یہ خبر اس وقت کئی اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس بارے میں قائداعظم کے نام حضرت صاحب کے ایک خط تحریر فرمودہ ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

As I told you when we met at Delhi that at the proper time Sir Khizar Hayat Khan could be persuaded to join the league......Sir Muhammad (Zafarullah Khan) came yesterday and discussed the matter with me. Deliberating this, last night he had a long discussion with Malik Sahib and Qazlibash. They have agreed to resign......Now you have a great lever to get Muslim rights from your oponents. Now only NWFP remains. I will try to study its situation. Hope you will get help from some other sources as well, but no more can be disclosed in a letter. May be we meet in Dehli in April.

(Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah papers Vol I, (20 February - 2 Printed by Ministry of Culture, Govt of Pakistan, 1993June 1947) p.161

بحوالہ ماہنامہ خالد اگست 1997ء صفحہ 30)

ترجمہ: جیسا کہ میں نے دہلی میں آپ سے ملاقات کے دوران ذکر کیا تھا کہ مناسب وقت پر سر خضر حیات کو مسلم لیگ میں شمولیت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔...... سر محمد ظفراللہ خاں نے گزشتہ روز اس معاملہ پر مجھ سے گفتگو کی اور پھر اس کی روشنی میں رات ملک صاحب اور قزلباش سے تفصیلی گفتگو کی۔ وہ مستعفی ہونے پر رضامند ہو گئے ہیں۔...... اب مخالفین سے مسلمانوں کے حقوق حاصل کرنے کے لئے آپ کے ہاتھ ایک مضبوط ذریعہ آ گیا ہے۔ اب صرف صوبہ سرحد باقی رہتا ہے میں اس کی صورتحال کا جائزہ لینے کی کوشش کروں گا اور امید کرتا ہوں کہ اس معاملہ میں بھی بعض ذرائع سے آپ کو مدد مل سکتی ہے لیکن یہ بات خط میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ بہتر ہو گا کہ ہم اپریل میں دہلی میں ملاقات کر لیں۔

iv۔ **پنجاب باؤنڈری کمیشن** کی کارروائی کے ایک اہم مرحلہ پر حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنا ایک مکتوب مرقومہ 11 اگست 1947ء حضرت مولوی عبدالرحیم درد صاحب کے ہاتھ قائداعظم کو بھیجا جس میں منجملہ آپ نے تحریر فرمایا:

''بے شک آپ ستلج پر اصرار کریں لیکن یہ ساتھ ہی کہہ دیں کہ اگر ہمیں بیاس سے ورے دھکیلا گیا تو ہم نہ مانیں گے اور واقعی میں نہ مانیں تب کامیاب ہوں گے، ورنہ وہ بیاس سے بھی ورے دھکیل دیں گے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ سارا پنجاب ہی تقسیم نہ ہو۔ تاہم تقسیم کو تسلیم کر لیں تو محفوظ موقف ہمارا بیاس ہے، ستلج نہیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 479)

4۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی قائدِ اعظم کی عملی مدد

تحریکِ پاکستان کے ہر اہم موڑ پر حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی خداداد فراست سے قائدِ اعظم کو عملی مدد بہم پہنچائی۔ ایسے چند واقعات درج ذیل ہیں:

i۔ جناح لیگ اور شفیع لیگ میں الحاق کی کامیاب جماعتی کوشش:

سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے مسئلہ پر مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی نگاہ میں جناب محمد علی جناح صاحب کی سیاسی خدمات کی بہت قدر و منزلت تھی اس لئے آپ دل سے چاہتے تھے کہ دونوں دھڑوں میں مفاہمت ہو جائے۔

چنانچہ آپ نے جناب محمد علی جناح اور شفیع لیگ کے سیکریٹری ڈاکٹر سر محمد اقبال کو خطوط لکھے جن کا ذکر ہر دو اصحاب نے بعض مجالس میں کیا اور مصالحت کی امید پیدا ہو گئی۔ مارچ 1929ء میں جناب محمد علی جناح اور سر محمد شفیع کی ملاقات ہوئی

جس میں جماعت احمدیہ کے ناظر امور خارجہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بھی شریک ہوئے۔ دونوں لیڈر اتحاد پر آمادہ ہو گئے اور آخر مارچ میں مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں قرار پایا۔ اس اجلاس میں شرکت کی دعوت حضرت خلیفۃ المسیح کو بھی دی گئی۔ اس اجلاس کے بعد بھی حضرت مفتی صاحب نے اپنی کوششیں جاری رکھیں جو بالآخر رنگ لائیں اور فروری 1930ء میں دہلی میں دونوں مسلم لیگیں ایک ہو گئیں۔

(تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 129-130)

ii۔ قائداعظم کی وطن واپسی کے لئے کامیاب جماعتی کوشش:

قائداعظم نے پہلی گول میز کانفرنس کے بعد اصلاح احوال سے سخت مایوس ہو کر ہندوستان چھوڑ کر لندن میں مستقل قیام کر لیا اور وہیں پریکٹس شروع کر دی۔ حضرت خلیفۃ المسیح قائداعظم کی صلاحیتوں سے واقف تھے اور دلی طور پر چاہتے تھے کہ وہ واپس آ کر مسلمانان ہند کی قیادت کریں۔ چنانچہ جب 12 مارچ 1933ء کو حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب نے جماعت کے لندن مشن کا چارج سنبھالا تو آپ نے ان کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ قائداعظم سے ملاقات کر کے انہیں ہندوستان واپس آنے کی ترغیب دیں۔

حضرت عبدالرحیم درد صاحبؓ مارچ 1933ء میں لندن میں قائداعظم کے دفتر واقع King's Bench Walk میں ان سے ملے جس کا حال ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے:

''میں نے ان سے تفصیلی ملاقات کی اور انہیں ہندوستان واپس آ کر سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ مسٹر جناح سے میری یہ ملاقات تین چار گھنٹے تک جاری رہی میں نے انہیں آمادہ کر لیا کہ اگر اس آڑے وقت میں جب کہ مسلمانوں کی رہنمائی کرنے والا اور کوئی نہیں ہے انہوں نے ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگانے کی کوشش نہ کی تو اس قسم کی علیحدگی قوم کے ساتھ بے وفائی کے مترادف ہو گی چنانچہ اس تفصیلی گفتگو کے بعد آپ مسجد احمدیہ لندن تشریف لائے اور وہاں باقاعدہ ایک تقریر کی۔''

(الفضل یکم جنوری 1955ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 6 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 103)

اس تقریر کے بعد نواب زادہ لیاقت علی خاں اور ان کی بیگم بھی جولائی 1933ء میں لندن میں قائداعظم سے ملے اور ان سے ہندوستان واپس آنے کی درخواست کی۔ چند ماہ بعد قائداعظم واپس آ گئے۔ بزرگ صحافی اور تحریک پاکستان کے ممتاز لیڈر جناب میاں محمد شفیع (میم شین) نے اس بارے میں لکھا:

(ترجمہ از انگریزی) ''انہوں نے ہندوستانی سیاست سے ریٹائر ہونے کا فیصلہ کر لیا اور علامتی طور پر قریباً ہمیشہ کے لئے لندن میں بود و باش اختیار کر لی۔ یہ جناب لیاقت علی خاں اور لندن مسجد کے امام مولانا عبدالرحیم درد تھے جنہوں نے جناح صاحب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنا ارادہ بدلیں اور وطن واپس آ کر قومی سیاست میں اپنا کردار ادا کریں۔ جناح صاحب 1934ء میں ہندوستان واپس آ گئے۔''

(اخبار پاکستان ٹائمز لاہور قائداعظم ایڈیشن 11 ستمبر 1981ء
بحوالہ تحریک پاکستان اور جماعت احمدیہ از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 5)

نامور محقق جناب زاہد حسین انجم صاحب نے 1991ء میں انسائیکلو پیڈیا قائداعظم شائع کیا تو اس میں زیر عنوان درد۔ عبدالرحیم احمدیہ مسجد لندن کے امام۔ قائداعظم سے اس ملاقات اور اس کے نتیجہ میں ان کے مسجد بیت الفضل لندن میں تقریر کا ذکر کیا ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا قائداعظم از زاہد حسین انجم صفحہ 309 مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور 1991ء
بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست 1997ء صفحہ 21)

iii۔ 1945ء کے انتخابات میں آپ نے جماعت کو مسلم لیگ کی حمایت کی تلقین فرمائی۔ اس کی کچھ اور تفصیل آگے آئے گی۔

ان کے علاوہ درج ذیل معاملات میں مدد کا ذکر آپ کی قائدِ اعظم سے خط و کتابت کے ذیل میں ہو چکا ہے:

iv۔ 1946ء میں ہندوستان کی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت

v۔ فروری 1947ء میں پنجاب کی یونینسٹ حکومت کا استعفیٰ

vi۔ پنجاب باؤنڈری کمیشن

5۔ قائداعظم کی جماعت کی مسجد فضل لندن میں تقریر

مولانا عبدالرحیم درد صاحب کی قائداعظم سے ملاقات کے نتیجہ میں انہوں نے سیاست میں دوبارہ حصہ لینے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کا پہلا اظہار اس تقریب میں شرکت تھی جو عیدالاضحیٰ کے موقع پر 6 اپریل 1933ء کو مسجد فضل لندن میں منعقد ہوئی۔ یہ ایک بڑی تقریب تھی اور اس میں دو سو کے قریب شخصیات مدعو تھیں جن میں مسٹر پیتھک لارنس، سر ایڈورڈ میکلیگن، پروفیسر ایچ اے آر گب اور سر ڈینی سن راس شامل تھے جبکہ صدارت Sir Stewart Sandaman نے کی۔

انسائکلو پیڈیا قائدِ اعظم کے مصنف نے اس تقریب کے ذکر میں لکھا:

'' قائداعظم نے اپنی تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

"The eloquent persuation of the Imam left me no escape."

یعنی امام صاحب کی فصیح و بلیغ ترغیب نے میرے لئے بچنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی۔''

(انسائکلو پیڈیا قائدِ اعظم از زاہد حسین انجم صفحہ 780، مقبول اکیڈمی، انارکلی، لاہور، 1991ء)

قائداعظم کی یہ تقریر جس کا موضوع India of the Future تھا برطانوی اور ہندوستانی پریس کی خاص توجہ کا مرکز بنی اور چوٹی کے اخبارات میں اس کی اشاعت ہوئی۔ سنڈے ٹائمز لندن نے لکھا:

"There was also a large gathering in the grounds of the mosque in the Melrose Road, Wimbledon, where Mr. Jinnah, the famous Indian Muslim spoke on India's future."

(Sunday Times, London 9th April 1933)

(بحوالہ ہماری ہجرت اور قیام پاکستان از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ دار التجلید لاہور)

ترجمہ: میلر وز روڈ ویمبلڈن پر واقع مسجد کے احاطہ میں ایک بڑے مجمع سے مشہور ہندوستانی مسلمان مسٹر جناح نے ہندوستان کے مستقبل کے موضوع پر خطاب کیا۔

اس کے علاوہ درج ذیل اخبارات نے اس تقریب کی خبریں شائع کیں

The Evening Standard, London 7/4/33,
Hindu, Madras 7/4/33,

The Madras Mail, Madras 7/4/33,
Pioneer, Alahabad,
The Statesman, Calcutta 8/4/33,
The Civil & Military Gazette, Lahore 8/4/33,
Egyptian Gazette, Alexenderia,
West Africa, London,15/4/33
The Near East and India

6۔قائداعظم کی احمدیوں کے مسلم لیگ کا ممبر بن سکنے کی حمایت

بعض مولویوں نے 1944ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں کوشش کی تھی کہ یہ قانون بن جائے کہ کوئی احمدی مسلم لیگ کا ممبر نہیں بن سکتا۔کافی حمایت بھی حاصل کر لی گئی تھی لیکن خود قائداعظم نے مداخلت کر کے یہ قرارداد واپس لینے پر آمادہ کرلیا۔

(نوائے وقت 10 اکتوبر 1953ء بحوالہ سلسلہ احمدیہ جلد دوم مرتبہ ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صفحہ 134)

قائدِاعظم کی اصولی بنیاد پر احمدیوں کی اس حمایت کا ذکر اور اس پر ناراضگی کا اظہار کئی جگہ ملتا ہے۔مثلاً

i- ''آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور 1944ء میں مولوی عبدالحامد بدایونی نے ایک قرارداد پیش کرنا چاہی جس کا مقصد یہ تھا کہ قادیانیوں کو مسلم لیگ کی رکنیت سے خارج کر دیا جائے یہ لوگ باتفاق علماء دائرہ اسلام سے خارج ہیں لیکن مسٹر جناح نے اپنے آمرانہ اقتدار سے اس قرارداد کو پیش نہیں ہونے دیا۔''

(مسلم لیگ کے شاندار اسلامی کارنامے صفحہ 4 مرتبہ جمیعۃ علماء صوبہ دہلی)

ii- ''مرزا محمود احمد اور اس کی پراپیگنڈہ ایجنسی نے مسٹر جناح سے خط وکتابت کی آخر مسٹر جناح نے مرزائیوں کو مسلم لیگ میں شامل کرلیا۔ 1944ء کے ایک اجلاس میں اس کے خلاف ایک قرارداد پیش ہوئی تو مسٹر جناح نے اس پر بحث کی اجازت نہ دی۔''

(احرار کا کتابچہ 'مسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی' صفحہ 19-18۔ 18 اکتوبر 1946ء
بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 366-367)

iii- 'قادیانیوں کے اخراج کے متعلق جو تجویز پیش ہونے والی تھی اسے بھی مسٹر جناح نے پیش ہونے سے روک دیا'۔

(اخبار مدینہ بجنور 5 اگست 1944ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 588)

7۔قائداعظم کا حضرت خلیفۃ المسیح کے خط کو پریس میں جاری کرنا

انگریز حکومت نے 19 ستمبر 1945ء کو ملک میں انتخابات کروانے کا اعلان کیا اس حوالے سے قائداعظم نے مسلمانان ہند کے نام یہ پیغام دیا کہ:
''موجودہ حالات میں انتخابات کو خاص اہمیت حاصل ہے انتخابات ہمارے لئے ایک آزمائش کی صورت رکھتے ہیں''۔

(اخبار انقلاب لاہور 18 اکتوبر 1945ء بحوالہ تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 345)

حضرت خلیفۃ المسیح نے جماعت کو ان انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کی ہدایت کی۔اس حمایت کی اہمیت کے پیش نظر قائداعظم نے اس خط وکتابت کو از خود پریس کو جاری کر دیا جو ناظر صاحب امور خارجہ قادیان نے ان کے ملاحظہ کے لئے بھجوائی تھی اور جس میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی ایک احمدی کو یہ ہدایت درج تھی کہ ''آپ کو موجودہ انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کرنی چاہئے اور ان سے تعاون کے تمام ممکنہ ذرائع کو بروئے کار لانا چاہئے۔''

یہ خط وکتابت انگریزی اخبار ڈان دہلی میں 8 اکتوبر 1945ء کو دہرے عنوان کے تحت یوں شائع ہوئی:

AHMADIYA COMMUNITY TO SUPPORT MUSLIM LEAGUE
Qadian Leader's Guaidance.
Quetta, Oct 7 - Mr. M . A. Jinnah has released the following correspondance to the press.

ترجمہ: جماعت احمدیہ مسلم لیگ کی حمایت کرے گی۔امام جماعت احمدیہ قادیان کی ہدایت
کوئٹہ 7 اکتوبر۔جناب محمد علی جناح نے درج ذیل خط وکتابت پریس کو بھجوائی ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد نمبر 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 356-357)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک مضمون کے ذریعہ بھی احمدیوں کو مسلم لیگ کی تائید کی ان الفاظ میں تلقین فرمائی:
''آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی تائید کرنی چاہئے تا انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوفِ تردید کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔''

(الفضل قادیان 22 اکتوبر 1945ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 351)

(باقی آئندہ شمارہ میں)

درس القرآن

بقیہ از صفحہ 2:

ہو۔پر افسوس کہ آج دنیا کی ہر چیز مسلمان کے ہاتھ میں ہے لیکن اگر نہیں تو یہی تلوار جس کو لے کر نکل کھڑے ہونے کا حکم تھا۔

پھر فرمایا کہ ایسے طریق سے بات کیا کرو کہ جسے ہر کوئی سمجھ سکے۔لوگوں کے فہم اور ادراک کے مطابق بات کیا کرو۔پھر ایسی بات کیا کرو جو سچی اور واقعات کے مطابق ہو۔تبلیغ میں موقعہ اور محل کے مطابق بات کرنی بہت ضروری ہے۔اگر بعض دلائل سے دشمن کے برانگیختہ ہونے کا خدشہ ہو اور خطرہ ہو کہ وہ تمہاری بات نہیں سنے گا تو مناسب نہیں کہ بلاوجہ سے چڑاؤ۔تم اس کے سامنے دوسرے دلائل بیان کرو جن کو وہ ٹھنڈے دل سے سُن سکے۔گویا بات کرتے وقت پہلے مزاج شناسی کرلیا کرو۔اگر تم انہیں خوامخواہ بھڑکاؤ گے تو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

پھر فرمایا کہ ایسا کلام کرو جو دلوں کو نرم کردیتا ہو اور جذبات کو ابھارنے والی بات کیا کرو یعنی صرف خشک باتیں ہی نہ ہوں بلکہ حکمت کے ساتھ بات کیا کرو اور جھوٹی غیرتیں نہ دلاؤ جیسے آج کل کے علماء کرتے ہیں۔اس میں یہ بھی بات پائی جاتی ہے کہ اگر کوئی بات نہ مانے تو مایوس نہیں ہونا بلکہ تبلیغ میں منہمک رہنا چاہئے۔نتیجہ نکالنا اور اثر پیدا کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر جلد چہارم تفسیر سورۃ النحل صفحہ 272-274)